اپنے تاج کو مفتوح بنانے کے جذبے سے مغلوب بعض سرپھروں کے کارہائے نمایاں

تحریکِ مزاحمت

علیم الحق حقی

ملکی سیاسی تاریخ کو جتنا سیہ بختی کی اور بدعنوانی کا مرقع کہنا کچھ ایسے بے جا بھی نہیں۔ چند ایک محبِ وطن اور دیانتدار رہنماؤں کے مقابل ہمیشہ ذاتی مفادات اور ناقص نظریات کے لیے کاروبارِ سیاست انجام دینے والوں کی اکثریت رہی ہے۔ قوم کے یہ "نجات دہندہ" زمین کی واپسی کے دعوے کرتے نہیں تھکتے۔ ریکارڈ ریاست میں جابجا موجود یہ بےعمل صنعت اور بےفیض رہنما خود کو شجرِ سایہ دار قرار دیتے ہیں اور قوم کی رہنمائی کا حق دار بھی۔ سادہ لوح عوام کو یہ کرشمہ گر خود اسیر کرتے ہیں کہ گویا ان کی عقل پر پتھر اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہوں۔ لیے رہنما کی پرستش کرو اور اس کے کہے کو حرفِ آخر سمجھا جائے ان کی رتبت کا حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں رائج پرستش اور احترام کے ایسے ہی قابلِ شرم معیار اور بیانیوں کے حوالے سے لکھی گئی یہ چشم کشا داستان قوم کے سیاسی شعور کے لیے ایک للکار ہے۔ قوم کی ان تھک محبت اور بے پناہ حمایت سمیٹ کر، ہر لمحہ ایک نئے طوفان کا سامان کرنے والے ان سیاسی بازی گروں کی جاہ طلبی نے آزادی کے بعد بھی قوم کو آزاد نہ ہونے دیا۔ انگریزوں کے یہ بےدام غلام، آج انگریزوں کی عزت مآبیت کرتے، زمین کو ان کے خون سے غسل دیتے اور انگریزوں کے عزائم کے خلاف بے نظیر مزاحمت کے اعزاز سے خود کو سرفراز کرتے ہیں۔ جاگیر اور ریاست کے ان جدی پشتی وارثوں کے بزرگوں کی "عظیم" جدوجہد کا احوال آپ بھی پڑھیے کہ اپنے رہنماؤں کے خاندانی پس منظر اور ماضی سے آگہی محض فطری تجسس نہیں، قومی ضرورت بھی ہے اور ملی حق بھی!

یہ ہوس و طلب کے اس خارزار کی بھی کہانی ہے جہاں پر ہر پاؤں فگار ہے اور ہر دامن تارتار... اور نسوانی انا کی زخم خوردگی کا ماجرا بھی۔ ایسی انا سوائے انتقام کے کہاں آسودگی پا سکتی ہے

آنکھوں میں روشن مستقبل کی اُمید کے دیے جھلملا دینے والی تحریر

انتخابی سرگرمیاں شباب پر تھیں!

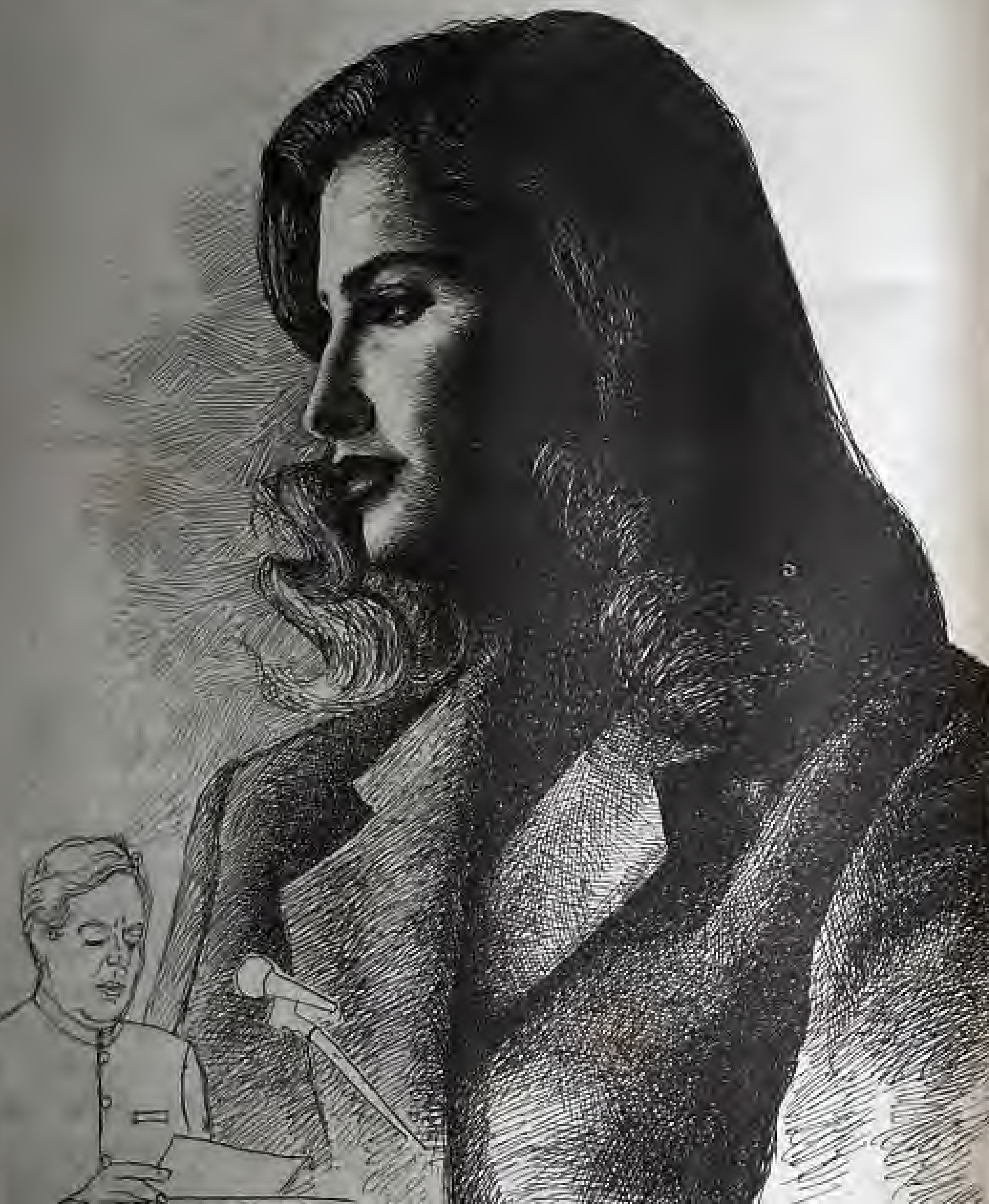
وہ کسی کی جاہ طلبی کی وجہ سے ہوئے ہوں یا کسی سازش کا نتیجہ ہوں، مسلسل انتخابات کا ایک فائدہ بہرحال ہوا تھا۔ عوام میں اب شعور پیدا ہو رہا تھا۔ اخبارات نے بھی اس سلسلے میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ نسلوں سے محکومیت میں مبتلا لوگ اپنی طاقت سے بھی آشنا ہو رہے تھے اور سرداروں، جاگیرداروں اور وڈیروں کی حقیقت پر بھی غور کرنے لگے تھے۔ یہ بات بھی ان کی سمجھ میں آنے لگی تھی کہ انہیں اور ان کی نسلوں کو تعلیم سے محروم رکھنے کی کوشش کیوں کی جاتی رہی ہے۔ انہیں ان کے آباد اجداد نے صرف اتنا بتایا تھا کہ خدا کے بعد انہیں بس جاگیردار کا احترام کرنا ہے۔ اس سے وفاداری نبھانی ہے اور اسی کا حکم ماننا ہے۔ اس کی زیادتی بھی انعام ہے اور اس کی ٹھوکر بھی صلہ۔ سو وہ سردار، وڈیرے اور جاگیردار کے قدموں میں بیٹھنے والے اور اسے فرشی سلام کرنے والے بن گئے۔ لیکن اب ان کے بچے جو ہزار رکاوٹوں کے باوجود تعلیم کی چند کرنیں سمیٹ لائے تھے، انہیں اخبار پڑھ کر سناتے تھے۔ جو کچھ ان کے بڑے انہیں بتانے کی ہمت نہیں کر سکے تھے۔ ان کے بچے انہیں بتا رہے تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں وطن پرستی اور ملی سے وفاداری کے صلے میں نہیں ملی تھیں۔ وہ تو انگریز بہادر کی مہربانیاں تھیں۔ وطن سے غداری کا صلہ تھا۔ کسی کو آزادی کے مجاہدین کی مخبری کرنے پر انعام ملا تھا۔ کوئی انگریزوں کے کتے نہلانے والا تھا۔ کسی نے انگریزوں کو اعلیٰ نسل کے تربیت یافتہ گھوڑے فراہم کرنے کی خدمت انجام دی تھی۔ کسی نے جنگِ عظیم کے دوران وطن کے جوانوں کو انگریز فوج میں بھرتی کرانے کا کمیشن وصول کیا تھا۔ گویا خون نچا تھا وطن کی رگوں سے۔ اب لوگوں کو معلوم ہو رہا تھا کہ جن جاگیروں کی وجہ سے اس آزاد ملک پاکستان میں جاگیرداروں کو عزت ملی ہے، درحقیقت انہی کی وجہ سے انہیں سزا اور ذلت ملنا چاہیے تھی۔ زمینیں اور جاگیریں وطن سے غداری کے کھلے ثبوت کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ اگر غداروں کی اولاد کو معافی بھی دی جاتی تو کم از کم زمین ان سے بہرحال میں چھین لی جاتی اور فرشی سلام کرنے والے محکوموں میں تقسیم کر دی جاتی۔ لیکن ایسا کرتا کون؟ سینتالیس سال ہونے کو آئے تھے اور ملک پر حکمرانی وہی لوگ کر رہے تھے۔ ترقی کا سرچشمہ عوام تھے اور وسائل کے حق دار خواص.... وہی سردار، وڈیرے اور جاگیردار۔

جن کی سمجھ میں بات آگئی، وہ پچھتائے کہ ووٹ کی طاقت سے مفاد پرستوں کو ایوانوں میں پہنچا کر وہ خود اپنے کچلے جانے کا سامان کرتے رہے۔ اب ان کی سمجھ میں آرہا تھا کہ جو انہیں محکوم دیکھنا چاہتے ہیں وہ انہیں ان کے قدموں پر کیسے کھڑا ہونے دیں گے۔ اب وہ سوچ رہے تھے کہ ووٹ کا استعمال سوچ سمجھ کر کریں گے۔ اور ایسے محکوم بھی تھے، جن کی رگوں میں خون کی جگہ غلامی کا احساس گردش کر رہا تھا۔ ایسے لوگ اپنے اخبار پڑھ کر سنانے والے، بچوں سے کہتے "توبہ کر بیٹا توبہ۔ یہ جھوٹی گمراہ کرنے والی باتیں ہیں۔ جاگیردار سے نمک حرامی کرے گا تو اللہ کے ہاں بھی نہیں بخشا جائے گا۔"

اور آگہی کے نشے میں سرشار بچہ جواب دیتا "کیسی نمک حرامی بابا۔ ہم تو تمہاری محنت کا کھاتے ہیں۔"

"پھر بھی یہ جاگیرداری مہربانی ہے۔"

لیکن بچوں کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ عام حالات میں جاگیردار سلام کرنے میں سستی کرنے والے کی کھال کھنچوا دیتا ہے لیکن الیکشن کے دن ہوں تو خود عاجزی اور



انحصار ہے تو ملتا ہے جہاں تک کہ خود ہی سلام کرلیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ووٹ بڑی طاقت ہے اور اس طاقت سے ملک کی خوش حالی سمیت سب کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

تو وہ انتخابات اٹھتی ہوئی اس بیداری کے ماحول میں ہو رہے تھے۔ انقلاب تو ابھی بہت دور تھا لیکن اس کے لئے فضا بن رہی تھی۔

ہزارہ کے ایک انتخابی حلقے میں چھ امیدوار تھے۔ ایک تو وہ تھا جو گزشتہ اسمبلی میں ہو آیا تھا۔ اسے اپنا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ لوگ اب جو آ بھی اس سے وعدے نہیں کر رہے تھے۔ دو مضبوط امیدواروں کا تعلق ایک ہی برادری سے تھا۔ ایک مولانا تھے جو بڑی برائی اور چھوٹی برائی کی بات کرتے اور خود کو اچھائی قرار دیتے ہوئے ووٹ طلب کرتے۔ ایک اور مولانا تھے جن کے لیڈر خود فتویٰ دیتے اور بعد میں فائدہ نظر آنے پر اس میں شرعی گنجائش نکالنے کے حلقے میں بہت بدنام ہوچکے تھے۔ اور چھٹا امیدوار ایک ایسا عام آدمی تھا جسے اپنے علاقے اور اپنے لوگوں کی خدمت کا شوق چرایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ضمانت ضبط ہوجائے گی لیکن وہ دست بردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

اس حلقے سے منیر خان اور منصف خان مضبوط امیدوار تھے۔ ان کا تعلق اس حلقے کی سب سے بڑی برادری سے تھا۔ دونوں کے درمیان رشتے داری بھی تھی لیکن سیاست، بہرحال رشتے داری سے بڑی چیز ہوتی ہے۔ برادری کے بڑے بھی ان دونوں میں سے کسی ایک کو بٹھانے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے تھے۔ مقابلہ کانٹے کا تھا۔ دونوں ہی دولت مند تھے۔ دونوں کے پاس بڑی زمینیں تھیں اور دونوں ہی جانتے تھے کہ یہ زمین والا پہلو اس الیکشن میں کمزوری ہے۔ لیکن دونوں کے پاس اس کا توڑ بھی تھا۔ معقول جواب موجود ہو تو کوئی کسی سوال سے نہیں ڈرتا۔

وہ بہت بڑا جلسۂ عام تھا۔ حاضرین کی تعداد دیکھ کر منیر خان کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ اس نے اپنے ایک مصاحب کے کان میں سرگوشی کی "لگتا ہے ہم الیکشن جیت گئے۔"

مصاحب نے دگنا سینہ پھلایا "خان جی... ہم نے کام بھی تو بہت کیا ہے۔ دن رات ایک کردیے ہیں آپ کے لئے...."

منیر خان کے تیور بدلتے دیکھ کر اس نے اپنی خودستائی کو بریک لگایا۔ "اور پھر خان جی آپ کی عزت... آپ کی ساکھ بھی بڑی ہے جی۔"

"خان جی۔ عوام نے تو آپ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے" ایک اور مصاحب بولا "اب بس ۱۱ مارچ کو الیکشن کرانے والوں کے فیصلے کا انتظار ہے۔"

"ان کا فیصلہ بھی آپ کے ہی حق میں ہوگا" پہلے مصاحب نے محسوس کیا کہ خودستائی کی وجہ سے اس کے نمبر کم ہوگئے ہیں۔ اسے اس کی کو پورا کرنا تھا "اس لئے خان جی کہ آپ کا لیڈر بہت اچھا ہے۔ وہ لوگ ایسے ہی تو سیٹ نہیں دے دیتے کسی کو۔ بھی انہیں بھی دیکھنا ہے کہ پبلک کس کے ساتھ ہے۔"

منیر خان کے چچا خان وحید بھی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ انہوں نے دھیمی آواز میں منیر سے کہا "او منیر یا لگے یہ جو جلسے کا رش ہے نا! اس سے کوئی خوش فہمی نہ پکڑ۔ آج کل لوگ جلسوں میں ضرور آتے ہیں۔ کچھ سوال کرنے کے لئے اور کچھ ہلا گلا کرنے کے لئے۔ اب کچھ دن بعد پبلک امیدوار سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ بھی مانگا کرے گی۔"

منیر خان کو چچا کی بات بری تو بہت لگی لیکن وہ بزرگوں کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس نے ترش لہجے میں چچا سے صرف اتنا کہا "او چھوڑو نا چاچا جی۔ تم فکر مت کرو۔ وہ وقت آئے گا تب بھی ہم پیچھے نہیں ہوں گے۔ ہم تو صدر صاحب سے بھی سرٹیفکیٹ لے لیں گے۔"

"صدر کو تو خود سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔ اس کو کون دے گا" چچا زیر لب بڑبڑایا۔

جلسہ شروع ہوا تو چچا کی بات درست ثابت ہوئی۔ جیسے ہی تقریر کے لئے منیر خان کا نام پکارا گیا، کہیں سے کسی شرپسند نے حلق کے بل چیختے ہوئے سوال اٹھایا "یہ زمینیں اور جاگیریں کس نے دیں؟"

جواب میں ایک کورس گونجا "سکھوں نے.... انگریزوں نے۔"

"کس کو دیں؟" ایک اور سوال اٹھا۔

اس بار جواب مختلف سمتوں میں بکھرا ہوا تھا۔

"سید بادشاہ کے خلاف سازش کرنے والوں کو" ان کی مراد سید احمد شہید سے تھی۔

"غداروں کو۔"

"مخبروں کو۔"

"دشمنوں کے خدمت گاروں کو۔"

"انگریزوں کا اصطبل بنانے والوں کو۔"

"ایجنٹوں کو، دلالوں کو۔"

منیر خان الگ تھا۔ وہ خاموشی کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک اعتبار سے یہ ہنگامہ اس کے حق میں تھا۔ اسے اپنا حوصلہ مجتمع کرنے اور صورت حال کے لئے تیار ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ بس ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ مؤثر انداز میں جواب دے دے۔ اس کے بعد صورت حال اس کے حق میں ہوگی۔ جب اس نے محسوس کیا کہ لوگوں کا جوش و خروش سرد پڑ رہا ہے اور خاموشی ہونے والی ہے تو اس نے اپنا ہاتھ فضا میں یوں بلند کیا جیسے لوگوں کو خاموش رہنے پرسکون ہوجانے کی تلقین کر رہا ہے۔ توقع کے مطابق چند سیکنڈ میں خاموشی چھا گئی۔ اب اس کا پریس ایجنٹ اخبار والوں کو خبر دیتے ہوئے پورے وثوق سے لکھ سکتا تھا..... عوام کے محبوب لیڈر منیر خان نے خاموشی کی اپیل کرتے ہوئے ہاتھ بلند کیا تو جلسے میں ہلڑ مچانے والوں کا زور لمحوں میں ٹوٹ گیا۔

چند لمحے سکوت رہا۔ پھر جلسہ گاہ میں چاروں طرف لگے لاؤڈ اسپیکرز پر منیر خان کی آواز ابھری "بھائیو، بہنو، بزرگو، ساتھیو! السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

"مجھے خوشی ہوئی کہ قوم اب باشعور ہوگئی ہے" منیر خان نے آغاز کلام کیا "آپ لوگوں کو اپنی طاقت کا علم ہوگیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے لیڈروں کو آپ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں ان لوگوں کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے میرے جلسے میں وہ سوال اٹھایا اور ان حقیقتوں کا ذکر نعرے کی شکل میں کیا جن سے آج یہ پورا ملک گونج رہا ہے۔ اس کا جواب ہر سردار، ہر جاگیردار اور ہر وڈیرے کو دینا ہے۔ لیکن وہ جواب نہیں دے سکیں گے اور اس ملک کے باشعور عوام اب انہیں مسترد کردیں گے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے جلسے میں میرے چاہنے والوں نے یہ سوال اٹھایا۔ اگر میں خود سے بغیر پوچھے اس سوال کا جواب دیتا تو آپ لوگ کہتے کہ چور کی داڑھی میں تنکا والا معاملہ ہے۔"

اس پر جلسہ گاہ میں قہقہے گونجے۔ منیر خان نے اپنی بات جاری رکھی "لیکن اب میں جواب دے سکتا ہوں۔ وضاحت کرسکتا ہوں۔ بے شک میرے پاس آبائی زمین ہے اور بہت ہے لیکن وہ میرے بزرگوں کی خون پسینے کی کمائی سے خریدی ہوئی زمین ہے۔ میرے بزرگوں کو اپنی مٹی سے محبت تھی۔ اسی لئے وہ روکھی سوکھی کھاتے۔ موٹا جھوٹا پہنتے اور اپنا پیٹ کاٹ کر زمین خریدتے۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں..... اس کے پاک کلام کی قسم کھا کر کہتا ہوں..... آپ مجھ سے حلف اٹھوالیں۔ میرے بزرگوں کو زمین نہ سکھوں نے دی نہ انگریزوں نے۔ نہ انہوں نے سید بادشاہ سے بے وفائی کی نہ وطن سے غداری۔ میرے بھائیو، بزرگو! آپ اللہ پر یقین رکھتے ہیں نا؟"

مجمع سے آوازیں بلند ہوئیں "ہم مسلمان ہیں۔ ایمان والے ہیں۔"

"تو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے بزرگ قابلِ فخر تھے۔ انہوں نے انگریزوں کی عزت ملیامیٹ کرکے رکھ دی۔ اس کی خاطر انہوں نے اپنی عزت کی بھی پروا نہیں کی۔ مجھے فخر ہے کہ میں ان کی اولاد ہوں۔ اس علاقے کو بھی ان پر فخر ہونا چاہئے۔ ہم وزیر خان کی اولاد اس زمین کی عزت کے پاسبان ہیں....."

تین دن بعد اسی مقام پر منصف خان کا جلسہ ہوا۔ وہاں بھی یہی سب کچھ ہوا۔ منصف خان نے بھی خدا اور قرآن کو گواہ بنا کر یہی کچھ کہا۔ اس نے ایک اور دعویٰ کیا "انگریزوں کی خدمت تو بہت دور کی بات ہے۔ بھائیو، بزرگو، میرے دادا سعید خان نے تو انگریزوں کے مقابلے میں ایسی شدید مزاحمت کی، جس کی تاریخ میں نظیر نہیں مل سکتی۔"

"یعنی بے نظیر مزاحمت" ایک مصاحب نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں... بے نظیر مزاحمت" منصف خان نے جوش سے کہا "اور یہی نہیں۔ انہوں نے اس زمین کو انگریز کے خون سے غسل

مریض نے ڈاکٹر سے کہا "میری لکڑی کی مصنوعی ٹانگ بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے۔"

ڈاکٹر حیرت زدہ رہ گیا اور مریض کو گھورتے ہوئے بولا "کمال ہے۔ لکڑی کی مصنوعی ٹانگ تمہارے لیے کیسے تکلیف دہ ثابت ہوئی ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے ڈاکٹر صاحب" مریض نے سر جھکا کر جواب دیا "کل میری بیوی نے لکڑی کی یہ مصنوعی ٹانگ اٹھا کر میرے سر پہ دے ماری تھی۔"

بھی دیا۔"

سادہ لوح دین دار لوگ اس میں شک نہیں کرسکتے تھے۔ اللہ، رسول اور قرآن کو گناہ گار بھی گواہ بنالے تو اس پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن علاقے کے جوانوں کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مفاد پرست سیاست داں اپنے اقتدار کے لئے ہر جھوٹ بول سکتے ہیں۔ تسبیح بھی ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور نماز پڑھتے ہوئے ویڈیو فلم بھی بنوالیتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ دیکھ چکے تھے۔ اس لئے انہیں اعتبار نہیں تھا اور وہ یہ عہد بھی کرچکے تھے کہ اس بار ووٹ بہت سوچ سمجھ کر دیں گے۔

وہ سر جوڑ کر بیٹھے سوچتے رہے۔ آخر انہیں بابا فرقان کا خیال آگیا....

○☆○

بابا فرقان علاقے کا سب سے معتبر شخص تھا۔ اس کی عمر سو سال سے کچھ اوپر ہی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اس عمر میں بھی چاق و چوبند تھا۔ اس کا حافظہ غضب کا تھا۔ وہ چلتی پھرتی تاریخ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے ہر بات یاد تھی۔ اور کیونکہ وہ اپنے زمانے میں بہت سوشل اور میلانی آدمی رہا تھا لہٰذا اس کی معلومات بھی بے حد وسیع تھی۔ وہ صحیح معنوں میں ایک دانا و فرزانہ شخص تھا۔ لوگ اپنے پیچیدہ معاملات میں اس سے مشورہ کرتے تھے۔

نوجوانوں کا وہ گروپ اس کے پاس آیا تو اسے حیرت ہوئی۔ کیونکہ نوجوان اس کی طرف کم ہی متوجہ ہوتے تھے۔ بہرحال اس نے شفقت سے انہیں بیٹھنے کو کہا اور گرماگرم قہوے سے ان کی تواضع کی۔ پھر اس نے ان سے پوچھا "کیا بات ہے میرے بچو۔ ضرور کوئی مسئلہ تمہیں یہاں لے آیا ہے۔ بولو کیا بات ہے؟"

نوجوان کھسیانے لگے "بابا، آپ کے پاس آنے کو دل تو بہت کرتا ہے" ایک لڑکے نے کہا "لیکن فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"نہیں میرے بچو" بابا فرقان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "ہم

لوگوں پر منافقت نہیں جچتی۔ تمہاری عمر تو سچ کہنے کی ہے۔ یہ منافقت تو بعد کی چیز ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ حتی الامکان اس سے بچتے رہنا۔ یہ بدترین لعنت ہے۔"

"لیکن بابا ہم....."

"میں جانتا ہوں کہ مجھ میں اور تم میں ایک صدی کا فاصلہ ہے" بابا فرقان نے بات کاٹتے ہوئے کہا "میں تم سے بہت پیچھے ہوں۔ تمہارے پاس اپنے عہد کی روشنی ہے اور میری آنکھیں اس روشنی کی عادی بھی نہیں ہو سکیں گی۔"

"لیکن آپ کے پاس دانش ہے جو صرف عمر گزارنے سے آتی ہے" ایک اور لڑکے نے کہا۔

"ہاں' یہ درست ہے۔ لیکن آج کل دانش کی جستجو کوئی نہیں کرتا۔ ضرورت تو اس کی کبھی کبھی ہوتی ہے۔ خیر....."

"بابا' آپ کے پاس دانش ہے۔ آپ کے سینے میں تاریخ ہے اس علاقے کی۔ ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"سو تو اب تم لوگوں کو کرنا ہے" بابا فرقان نے گہری سانس لے کر کہا "میں تو بس تمہیں اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں مشورہ دے سکتا ہوں۔ تم بتاؤ' مسئلہ کیا ہے؟"

"وہ بابا' آپ کو معلوم ہے' پھر الیکشن ہو رہے ہیں۔"

"ہاں' مہنگائی کے جلتے صحرا میں نیم جاں لوگوں پر گدھوں کے منڈلانے کا موسم پھر آ گیا ہے۔"

"بابا' اس بار ہم دھوکا نہیں کھانا چاہتے۔"

"بہت اچھی بات ہے" بابا فرقان نے کہا "حالانکہ قوم دیکھ بھال کر کبھی نکلنے کی عادی ہے۔"

ایک نوجوان نے امیدواروں کے متعلق تفصیل بتائی۔ پھر منیر خان اور حنیف خان کے دعووں کے متعلق بتایا "آپ تو ان لوگوں سے خوب واقف ہیں۔ آپ نے ان کے بزرگوں کو بھی دیکھا ہوگا۔ ہمیں یہ بتایئے کیا وہ سچ کہہ رہے ہیں؟"

بابا فرقان کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ بابا سوچتے رہے اور نوجوان انہیں متوقع نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر بابا نے کہا "قسم کا معاملہ ہے بچو۔ میں جھوٹ اور سچ کا فیصلہ سنا کر اس عمر میں گناہ گار کیوں بنوں۔ دلوں کا..... نیتوں کا حال تو صرف خدا جانتا ہے۔ ہاں میں تمہیں اس مزاحمت کا' انگریزوں کی عزت ملیامیٹ کرنے کا اور اس زمین کو انگریز کے خون سے غسل دینے کا حال سناتا ہوں جس کی قسمیں کھائی جا رہی ہیں۔ کچھ آنکھوں دیکھا ہے اور کچھ کانوں سنا۔ کہانی کی شکل میں سن لو۔ پھر اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق خود ہی فیصلہ کر لینا۔"

یہ کہتے کہتے بابا فرقان کی نظریں اٹھیں اور دیوار اور چھت کے نقطہ اتصال پر جم گئیں۔ ان کی نظروں میں ایسا تاثر تھا جیسے وہاں کوئی اسکرین ہو جس پر فلم چل رہی ہو۔

پھر انہوں نے جیسے کمنٹری شروع کر دی۔ نوجوان ان کی آواز کی ڈور تھام کر پیچھے۔ بہت پیچھے چلے گئے.....

○☆○

موسم گرما کی دھوپ میں تمازت شدید تھی۔

دونوں جوان ہم عمر تھے۔ وہ دراز قد تھے۔ ان کے جسم گٹھے ہوئے تھے۔ رنگت سرخ و سپید تھی۔ دونوں کی آنکھیں بھوری تھیں لیکن ایک کی آنکھوں میں ہلکا سا نیلا پن تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی پیشانیاں پسینے میں تر تھیں اور دھوپ سے چہرے تمتما رہے تھے۔

"بہت گرمی ہے یارا" ایک نے دوسرے سے کہا "کسی درخت کے نیچے دم لے لیں ذرا۔"

"بیوے ناشکرے ہو وزیر خان" دوسرے نے کہا "ذرا سوچو' اس وقت لاہور میں کیا حال ہوگا۔"

"مگر لاہور میں ہم پیسہ کماتے تھے سعید خان۔ پیسہ کمانے میں نخرا نہیں چلتا یارا۔"

"یارا... اب گھر چل کر ہی آرام کریں گے" سعید خان کو گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

"نہیں یار بیٹھنا پڑے گا۔ دھوپ بہت تیز ہے۔"

دونوں چنار کے ایک درخت کی طرف بڑھ گئے۔ وہ بہت گھنا درخت تھا۔ چھاؤں بہت ٹھنڈی تھی۔ انہوں نے اپنی اپنی گٹھری کندھے سے اتار کر نیچے رکھی اور پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے۔

درحقیقت دونوں بہت تھکے ہوئے تھے۔ وہ لاہور سے آ رہے تھے۔ لاہور سے راولپنڈی اور پھر راولپنڈی سے مانسہرہ تک وہ لاری میں آئے تھے اور اب گاؤں انہیں پیدل جانا تھا۔

"ٹھنڈک پڑ گئی یارا" وزیر خان نے طمانیت بھرے لہجے میں کہا۔ اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"اب سو نہ جانا۔"

"تمہیں گھر پہنچنے کی بہت جلدی ہے۔"

"چار سال ہو گئے گھر دیکھے۔"

دونوں کے درمیان رشتے داری تھی۔ ایک اور رشتے کا اضافہ بھی ہونے والا تھا۔ سعید خان کی بہن ریشم وزیر خان سے منسوب تھی۔ اس کے علاوہ ان دونوں میں دوستی بھی بہت تھی۔ بلکہ انہیں ایک جان دو قالب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ گاؤں چھوڑ کر شہر جانے اور قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ وزیر خان نے کیا تھا۔ سعید خان کو اس کے ساتھ جانا ہی تھا۔ بچپن ہی سے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے۔

گاؤں میں کیا' اس پورے علاقے میں ہی روزگار بہت کم تھا۔ وسائل ہی نہیں تھے۔ ان کے باپ دوسروں کی زمینیں کاشت کرتے تھے۔ فصل میں حصہ مل جاتا تھا۔ ایک بھینس رکھی ہوئی تھی۔ اس سے دودھ لسی مکھن نکل آتا تھا۔ گزارہ ہو جاتا تھا۔ پر پیسہ ہاتھ میں کم ہی آتا تھا۔ یہ صورت حال مایوس کن تھی۔

یہی سوچ کر دونوں لڑکوں نے لاہور کا رخ کیا تھا۔ تومند بھی تھے' محنتی اور جفاکش بھی۔ ہر کام کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اسی چکر میں ہر کام سیکھتے بھی گئے۔ ذہین بھی تھے۔ ہر کام کے متعلق آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ سادہ زندگی گزارنے والے تھے۔ چار سال میں اچھی بھلی رقم جمع کر لی۔ اب اپنی دانست میں وہ امیر ہو کر گھر واپس آئے تھے۔

"بھوک لگ رہی ہے" سعید خان نے کہا۔

"چلو کھانا کھا لیتے ہیں۔"

وزیر خان نے گٹھری کھول کر ایک پوٹلیا برآمد کی۔ پوٹلیا میں روٹی تھی اور گڑ تھا۔ اس نے روٹی اور گڑ سعید خان کی طرف بڑھایا اور خود بھی کھانے لگا۔ کھانے کے بعد پیاس لگی تو انہیں اٹھنا پڑا۔ کچھ آگے جا کر ایک پہاڑی چشمہ نظر آ گیا۔ دونوں پانی پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح پانی پینے کی لذت تو وہ بھول ہی گئے تھے۔ پانی بہت ٹھنڈا' میٹھا اور فرحت بخش تھا۔ ان کی روح تک خوش ہو گئی۔

سعید خان بہت بے چین تھا۔ اس کا بس چلتا تو اڑ کر گھر پہنچ جاتا۔ لیکن وزیر خان اب بھی آرام کے موڈ میں تھا "یارا' کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد ایک دم سفر نہیں کرنا چاہئے۔ صحت کے لئے برا ہوتا ہے" اس نے کہا "چلتے ہیں' جلدی کیا ہے۔"

سعید خان بادل ناخواستہ بیٹھ گیا۔ اتنے ساتھ کے بعد ساتھ چھوڑنا اچھا بھی تو نہیں لگتا تھا۔

ایک گھنٹے بعد دونوں نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ انہیں ایک پہاڑ اور عبور کرنا تھا۔ پھر وہ گاؤں پہنچ جاتے۔

پہاڑ پر پہنچ کر وہ رکے اور انہوں نے نیچے زمین پر دری کی طرح بچھے ہوئے گاؤں کو دیکھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا' جیسے وہ چھوڑ کر گئے تھے۔ کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ مگر ہمیشہ کا جانا پہچانا وہ منظر اتنے برسوں کے بعد انہیں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ ہنسنا شروع کیا اور ہنستے گئے۔ یہ وہ بے فکری کی ہنسی تھی جسے شہر جا کر وہ بھول ہی گئے تھے۔ دونوں ہنستے ہنستے رکے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے "ہو جائے؟" وزیر خان نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے ہو جائے" سعید خان نے جواب دیا۔

"چھوڑو' تم ہمیشہ مجھ سے ہار جاتے تھے۔"

"آج نہیں ہاروں گا۔ آزما کر دیکھ لو۔"

"یہ بات ہے تو چلو تیار ہو جاؤ۔"

"میں تیار ہوں۔ ایک..... دو..... تین۔"

تین کے ساتھ ہی دونوں نے ڈھلوان پر دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ ان کا پرانا کھیل تھا اور زیادہ تر وزیر خان ہی جیتا کرتا تھا۔ لیکن اس دن وزیر خان کو بھی اندازہ ہو گیا کہ آج وہ سعید خان سے نہیں جیت سکتا۔ سعید خان تو ویسے ہی اڑ کر گھر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ دراصل وہ گھر والوں کو وہ چیزیں دکھانے کو بے تاب ہو رہا تھا جو وہ شہر سے لے کر آیا تھا۔ ان میں کپڑے بھی تھے اور بہن ریشم کے لئے زیور بھی تھے۔ اس کے قدم زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔

سعید خان نیچے پہنچا تو وزیر خان سے خاصا آگے تھا۔ انہیں دیکھتے ہی گاؤں میں شور مچ گیا سعید خان وزیر خان آ گئے۔

○☆○

پیری رچرڈسن جاگتی آنکھوں اپنے کاٹیج کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہر ہفتے وہ ویک اینڈ کے لئے دن گن گن کر گزارتا۔ وہ علاقہ اسے بہت پسند تھا۔ کاٹیج اس نے بڑی طبیعت سے بنوایا تھا۔ دو دن وہاں گزار کر وہ تازہ دم ہو جاتا تھا۔ ساری اعصابی کشیدگی اور تھکن دھل جاتی تھی۔

وہ کاٹیج اس نے اسٹیلا کو خوش کرنے کی خاطر بنوایا تھا۔ لیکن اسٹیلا اب بھی خوش نہیں تھی۔ ہاں کاٹیج اس کے لئے خوشی بن گیا تھا۔

اسٹیلا کا خیال آتے ہی اس پر اضمحلال طاری ہونے لگا۔ اسٹیلا کو وہ اب تک نہیں سمجھ سکا تھا۔ ان کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے۔ پانچ سال پہلے وہ چھٹیاں گزارنے انگلینڈ گیا تھا تو کنوارا تھا۔ اس وقت اس کا شادی کا خیال بھی نہیں تھا۔ اس کی عمر اڑتیس سال تھی۔ وہ زندگی کو خوب انجوائے کر رہا تھا۔ ہندوستان اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ بارسوخ اور بااختیار شخص تھا۔ نرم مزاج آدمی تھا۔ غرور اور تکبر اس میں نہیں تھا۔ ہندوستانیوں سے اس کی خوب بنتی تھی۔ وہ ان کی نفسیات بھی سمجھ گیا تھا۔ وہ عزت کے بھوکے لوگ تھے۔ عزت سے بات کرو اور انہیں غلام بنا لو۔

مگر ان تعطیلات کی ابتدا ہی میں اس کے دوست للی آرمزنے پیش گوئی کر دی تھی کہ تعطیلات ختم ہونے تک وہ کنوارا نہیں رہ سکے گا۔

"کیوں بھئی۔ میرا تو شادی کا کوئی ارادہ نہیں" اس نے کہا تھا۔

"ہو لیعد جو شادی کے ارادے کے بغیر شادی شدہ ہو جاتے ہیں" آدم نے ہنستے ہوئے کہا "تم نہیں جانتے۔ یہاں تم ہائی رینک کی حیثیت رکھتے ہو۔ دیکھ لینا اب بھانت بھانت کی لڑکیاں تمہیں گھیرنا شروع کر دیں گی۔"

"کیوں؟"

"وجہ یہ ہے کہ تم ہندوستان کے وائسرائے ہو۔"

"وائسرائے؟ تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

آدم ہنسنے لگا "یہاں ہر اس شخص کو وائسرائے سمجھا جاتا ہے جو ہندوستان میں تاج برطانیہ کی نمائندگی کر رہا ہو۔"

"دلچسپ۔"

لیکن جلدی اسے اندازہ ہو گیا کہ آدم درست کہہ رہا تھا۔ ہر پارٹی میں لڑکیاں اس پر پروانوں کی طرح منڈلاتیں۔ اسے گھیرنے کی کوشش کرتیں۔ مگر وہ ایسی لڑکیوں سے دور بھاگتا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ شادی کے جال میں نہیں پھنسے گا۔

اس کی واپسی میں تھوڑے ہی دن رہ گئے تھے کہ وہ شکار ہو گیا۔ لارڈ کیر گمن کے گھر ہونے والی پارٹی میں اسٹیلا سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ اسٹیلا بہت حسین تھی۔ مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ زندگی میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی سے مل چکا تھا۔ کشش اس بات کی تھی کہ وہ بہت مختلف تھی۔

ہیری کو یہ یاد نہیں کہ انہیں متعارف کس نے کرایا تھا۔ اسے بس اتنا یاد تھا کہ اسٹیلا نے بڑی بے نیازی سے کہا تھا "اوہ..... تو آپ ہندوستان میں ہوتے ہیں" اور اس کے بعد اس نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی بلکہ وہ اسے نظر انداز کرتی رہی تھی۔ بس اس کی یہ ادا ہیری کو شکار کر گئی۔ وہ اس بات کا عادی ہو گیا تھا کہ ہندوستان کے حوالے سے تعارف ہوتے ہی لڑکیاں ریشہ خطمی ہو جاتی ہیں۔ کوشش کرتی ہیں کہ بات آگے بڑھے۔

یہاں معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ اسٹیلا کی بے نیازی اس کے لئے چیلنج تھی۔ دوسری لڑکیاں اسے شکار سمجھتی تھیں اور شکار کرنا چاہتی تھیں۔ جبکہ وہ شکاری تھا۔ شکاری کو شکار سمجھا جائے تو اسے توہین کا احساس ہونے لگتا ہے مگر اب مختلف معاملہ سامنے آیا تو وہ شکاری بن گیا۔ اس نے اس سلسلے میں کتنے ہی لوگوں سے بات کی۔ ہر اس پارٹی میں گیا جہاں اسٹیلا مدعو ہو۔ آہستہ آہستہ اس نے اسٹیلا کو رام کرنا شروع کیا۔ بے تکلفی بڑھی تو اس نے پرپوز بھی کر دیا۔

"لیکن تمہیں تو ہندوستان واپس جانا ہے" اسٹیلا نے بھویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ تم میرے ساتھ ہو گی۔"

"مگر میں ایک اجنبی ملک کیوں جاؤں۔ کیا حاصل ہو گا مجھے؟"

"میری محبت" ہیری رچرڈسن نے کہا "میں تم سے محبت کرتا ہوں اسٹیلا۔ میں تمہیں ہر خوشی دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ایک اجنبی ملک......"

"ہندوستان تو بہت پیارا ملک ہے۔ وہاں چمکیلی دھوپ ہوتی ہے۔ ہر وقت بارش اور دھند کا عذاب نہیں ہوتا۔ وہاں دنیا کی ہر نعمت ہے۔"

"پھر بھی مجھے ڈر لگتا ہے" اسٹیلا نیم رضامند معلوم ہو رہی تھی۔

آخر کار ہیری نے اپنی دانست میں اسے شکار کر ہی لیا۔ یہ احساس تو اسے اب ہو رہا تھا کہ در حقیقت اسٹیلا نے ہی اسے شکار کیا تھا۔ اسٹیلا چالاک شکاری تھی۔ اس نے شکار کی نفسیات کو سمجھا تھا۔ اس نے شاید اسٹڈی کیا تھا کہ وہ ملتفت ہونے والی لڑکیوں سے کھنچ جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے بے نیازی ظاہر کی تھی۔ وہ شکاری تھی لیکن اس نے شکار کے سامنے خود کو شکار کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔

ہیری اسے اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا۔ ان دنوں وہ دہلی میں تعینات تھا۔ ابتدا میں بہت اچھی گزری۔ دونوں ایک دوسرے میں کھوئے رہے۔ ویسے ہیری کو یہ احساس شروع میں ہی ہو گیا تھا کہ اسٹیلا کے مزاج میں تلون بہت ہے۔ وہ پچیس سال کی تھی لیکن اس میں بچپنا بہت تھا۔ پل میں تولہ' پل میں ماشہ اور پل میں رتی۔ اس میں سنجیدگی نام کو نہیں تھی۔ اس کے برعکس ہیری رچرڈسن ایک سنجیدہ آدمی تھا۔ اپنے فرائض وہ بہت ذمے داری اور مستعدی سے ادا کرتا تھا۔ اسی لئے اسے اہمیت دی جاتی تھی۔

چھ ماہ بعد ان کی پہلی لڑائی ہوئی۔ اس صبح اسٹیلا اٹھی' اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا اور بولی "آج تم دفتر نہیں جاؤ گے۔"

"کیوں بھئی؟"

"موسم اتنا پیارا ہے اس لئے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ آج مجھے ایک بہت اہم کام نمٹانا ہے۔"

بس پھر کیا تھا۔ اسٹیلا نے رونا اور لڑنا شروع کر دیا۔ ہیری دفتر گیا تو اس نے ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔

پھر یہ جھگڑے آئے دن ہونے لگے۔ معمولی معمولی باتوں پر جھگڑا ہوتا اور کبھی بڑی بات پر بھی کچھ نہ ہوتا۔ کبھی اسٹیلا اس کی واپسی کا انتظار کئے بغیر کلب چلی جاتی اور کبھی گھر پر روتی ہوئی ملتی کہ وہ اتنی دیر میں واپس کیوں آیا ہے۔ ایک دن وہ جو کچھ نہ کرنے پر لڑتی' دو تین دن بعد وہ کرنے پر جھگڑنا شروع کر دیتی۔

ہیری کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے محبت بہت کرتا تھا۔

اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک دن اسٹیلا اس بات پر لڑی کہ اب ان کے درمیان جسمانی ربط میں گرمجوشی نہیں رہی ہے۔ ہیری محسوس کرتا تھا کہ یہ بات درست ہے لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عمر بھر ہنی مون نہیں رہتا۔ آدمی پر کام کی ذمے داری بھی ہوتی ہے

اور پھر انگریز ویسے بھی سرد مزاج ہوتے ہیں۔ ان میں گرم جوشی کا فقدان ہوتا ہے۔

ایک صبح اسٹیلا نے اٹھتے ہی سامان پیک کرنا شروع کر دیا "یہ کیا ہو رہا ہے؟" پیری نے پوچھا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ وطن واپس جا رہی ہوں۔"

پیری کے لئے اس کو سنبھالنا مشکل ہوا۔ آخر اس نے وعدہ کیا کہ وہ اپنا تبادلہ کرا لے گا۔

اس کے بعد وہ لاہور چلے آئے۔ کچھ عرصہ خیریت سے گزرا۔ اس بار اسٹیلا کچھ سوشل بھی ہو گئی تھی۔ کچھ فیملیز سے تعلقات ہو گئے تھے۔ کبھی وہ لوگ ان کے ہاں جاتے کبھی انہیں اپنے ہاں مدعو کرتے مگر جلد ہی پھر جھگڑے شروع ہو گئے۔

"یہاں گندگی بہت ہے" اسٹیلا نے شکایت کی۔

"ارے واہ اتنا خوب صورت شہر......"

"تمہیں لگتا ہو گا خوب صورت۔ یہی تو مسئلہ ہے تم میں ذوقِ حسن ہے نہ جمالیاتی حس۔"

"میں نے تم سے شادی کی ہے۔ اس لئے کہہ رہی ہو یہ بات"

اس بار پیری کو بھی طراره آ گیا۔

خوب لڑائی ہوئی۔ مگر پھر بات ٹل گئی۔

موسم گرما میں ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا "تم نے مجھ سے جھوٹ بول کر شادی کی" اسٹیلا نے چیخ کر کہا۔

پیری کو حیرت ہوئی۔ لڑائی کا یہ زاویہ نیا تھا "کیا جھوٹ بولا میں نے تم سے؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"تم نے کہا تھا ہندوستان میں چمکیلی دھوپ نکلتی ہے۔"

"تو یہ تو سچ ہے۔ باہر جھانک کر دیکھو۔"

"اسے چمکیلی دھوپ کہتے ہیں۔ چمکیلی دھوپ تو خوب صورت ہوتی ہے۔ یہ تو ایسی دھوپ ہے کہ جسم کا گوشت بھی پگھلتا محسوس ہوتا ہے۔ یہاں میری آنکھیں مستقل طور پر دکھتی ہیں۔ رنگ بھی جھلسا جا رہا ہے۔ بھوک تک مر گئی ہے۔"

"بڑی ناشکری ہو۔ وہاں اچھی تھیں جہاں سال میں آٹھ مہینے دھند کی وجہ سے دن میں بھی اندھیرا رہتا تھا۔ سارا سال بارش ہوتی تھی۔ کبھی دھوپ نکلتی تو جسم پر لوشن لگا کر لیٹ جاتی تھیں کہ جسم جھلس جائے۔ تم کسی حال میں خوش نہیں رہ سکتیں۔"

"میں وہاں وطن میں خوش تھی" اسٹیلا نے پاؤں پٹختے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔ تم واپس چلی جاؤ۔"

اسٹیلا گنگ ہو کر رہ گئی۔ اس کورے جواب کی اسے توقع نہیں تھی "تمہیں چھوڑ کر؟" ذرا دیر بعد اس نے سنبھل کر کہا۔

"اور کیا ہو سکتا ہے۔ تم بھی رومن کیتھولک ہو اور میں بھی۔ طلاق تو ہو نہیں سکتی۔"

یہ سن کر تو اسٹیلا کی سٹی گم ہو گئی "میں تم سے محبت کرتی ہوں



امجد صاحب شہر کے ایک فیشن ایبل ہیئر کٹنگ سیلون میں پہنچے۔ کرسی پر بیٹھ کر انہوں نے بڑی سنجیدگی سے باربر سے کہا "ذرا او کرم بال کاٹنے سے پہلے میری چند ہدایات توجہ سے سن لو۔ سر کے دائیں حصے میں تمہیں بے دریغ اور اندھا دھند قینچی چلانی ہے۔ اس حصے کو تقریباً گنجا ہی کر دینا ہے سر کے بائیں طرف تمہیں قینچی کا استعمال برائے نام کرنا ہے۔ وہاں کے بال لمبے ہی رہنے دینا تاکہ میرے کان تک آ سکیں۔ سر کے وسط میں ایک روپے کے برابر بال صاف کر دینا۔ پیشانی سے ذرا اوپر بالوں کی ایک لٹ چھوڑ دینا تاکہ وہ ناک سے ہوتی ہوئی میری ٹھوڑی کو چھو سکے۔"

"لیکن جناب" باربر نے پریشان ہو کر کہا "میں اس طرح تو آپ کے بال نہیں کاٹ سکتا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیوں نہیں کاٹ سکتے" امجد صاحب نے چلا کر کہا "دو ماہ پہلے تو تم نے میرے بال اسی طرح کاٹے تھے۔"



پیری۔ لیکن یہ گرمی میں برداشت نہیں کر سکتی۔"

پیری کا دل اس کے لئے دکھنے لگا "اچھا کچھ دن برداشت کر لو۔ میں اپنا تبادلہ کسی ٹھنڈے علاقے میں کرانے کی کوشش کروں گا۔ ایک ایسی جگہ ہے میری نظر میں۔ حسین بھی بہت ہے، موسم بھی بہت اچھا ہے۔ وہاں گزارہ نہ ہوا تو پھر تمہیں انگلینڈ ہی جانا پڑے گا۔"

یوں وہ ایبٹ آباد آ گئے۔ یہاں اسٹیلا گرمیوں میں بہت خوش رہی۔ مگر پھر اسے سردی سے شکایت ہوئی۔ سوشل لائف کی ویرانی سے شکوہ ہوا۔ مگر بات بھی بہت آگے نہیں بڑھی۔ اسٹیلا خود بھی جانتی تھی کہ اس کی کوئی شکایت بھی جائز نہیں ہے اور پھر پیری اسے لاہور میں ہی وارننگ دے چکا تھا۔

ایک دن اسٹیلا یونہی گھومنے کے لئے باہر نکل گئی۔ نواحی علاقے اسے بہت اچھے لگے۔ اس رات اس نے پیری سے کہا "یہ جگہ تو بہت خوب صورت ہے۔"

"شکر ہے، تمہیں کچھ اچھا تو لگا۔"

"تم کسی خوب صورت علاقے میں زمین لے کر الگ تھلگ

کالج نہیں بنا سکتے؟"

بیری نے اِدھر اُدھر بات کی۔ ایک مقامی نے کہا "صاحب زمین تو ہے' علاقہ بھی سرسبز ہے۔ پر زمین بہت مہنگی ہے۔ آدمی ضرورت مند ہے اس لئے بیچ رہا ہے۔"

"کتنی زمین ہے اور قیمت کتنی ہے؟" بیری نے پوچھا۔

"پچیس کنال تو ہوگی۔ ڈیڑھ سو روپے کی ملے گی۔"

"یہ کنال ابھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

مقامی حساب لگاتا رہا۔ پھر بولا "تین ایکڑ سے زیادہ ہی ہے صاحب۔"

"مجھے دکھاؤ۔"

یوں اس نے بٹ گرام کے قریب وہ زمین لی۔ اِدھر اُدھر گاؤں تھے۔ مگر کافی فاصلے پر۔ جگہ خوب صورت تھی۔ بیری نے وہاں بہت خوب صورت کاٹیج بنوایا۔ باغ لگانے کا سامان بھی کیا۔ باغیچہ بھی بنایا۔ یہ سب کچھ اس نے اسٹیلا کے لئے کیا تھا۔ لیکن اسے خود اس جگہ سے عشق ہو گیا۔

اسٹیلا کو کچھ عرصے بعد کاٹیج سے بھی شکایتیں ہو گئیں "کیسی اجاڑ جگہ ہے۔ آدم نہ آدم زاد۔ مجھے یہاں رہنا زہر لگتا ہے۔"

لیکن اب بیری رچرڈسن کو کوئی پروا نہیں تھی۔

○☆○

سردی اگست میں ہی شروع ہو جاتی تھی۔ کم از کم اسٹیلا رچرڈسن کو تو ایسا ہی لگتا تھا اور کاٹیج تو اسے بہت ہی برا لگتا تھا۔ حالانکہ فرمائش اسی کی تھی۔ اب وہ جگہ اسے ویران اور بے زار کن لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ بیٹھ کر اپنے بارے میں سوچتی۔ اسے خیال آتا کہ بیری غلط تو نہیں کہتا۔ وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خوش رہنا ہی نہیں چاہتی۔ لیکن کیوں؟ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان انگلینڈ سے بہت اچھا ہے۔ یہاں موسم بھی بہت اچھا ہے۔ یہاں لوشن جسم پر لگا کر دھوپ میں لیٹ کر آگ کو اپنے اندر اتارنے کی... خود کو جلانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ طاقت اور اختیار بھی یہاں زیادہ ہے۔ وہ تصور کرنے کی کوشش کرتی کہ بیری وطن میں ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ تصور کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن یہ طے تھا کہ وہ وہاں اتنا طاقتور اور بااختیار ہرگز نہ ہوتا۔ اور وہ خود کیا ہوتی؟ یہ خیال ہی بے حد تکلیف دہ تھا۔

تو پھر مسئلہ کیا ہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ بس وہ اتنا جانتی تھی کہ وہ زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں۔ زندگی پھیکی اور بے رنگ ہے۔ اس میں کوئی تھرل' کوئی سنسنی خیزی نہیں۔ بیری کے لئے وہ ایک بیوی ہے' محبوبہ نہیں۔ اور بیری بہت مصروف آدمی ہے۔ اس کی عمر بھی زیادہ ہے۔ وہ جوش' امنگ اور ولولے سے محروم ہو چکا ہے۔ اس کی قربت میں بس فرض شناسی ہوتی ہے۔ وہ سرد مہر' سرد مزاج ہے۔ ہاں وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اس کی تسلی تو نہیں ہوتی۔ زندگی میں کوئی ہنگامہ' کوئی تلاطم بھی تو ہو۔ نہیں ہے تو بیری سے لڑ کر ہی کوئی ہنگامہ کیا جائے۔

کچھ یوں بھی تھا کہ کاٹیج اس کے لئے رقیب بن گیا تھا۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ بیری اس سے زیادہ کاٹیج میں دلچسپی لیتا ہے۔ بلکہ دلچسپی کیا' وہ تو کاٹیج سے عشق کرتا تھا۔ جمعے کی شام وہ کہتا "چلو کاٹیج چلیں۔ عیش ہو گئے۔ بھئی میری تو ساری تھکن دھل جاتی ہے۔"

ڈھائی سال ہو گئے تھے اسے یہ جملے سنتے۔ اور اسے کاٹیج کا ذکر بھی برا لگنے لگا تھا۔ اور اکثر بیری رچرڈسن کہتا "ڈارلنگ... سوچتا ہوں' کاٹیج نہ ہوتا تو میرا کیا بنتا۔"

اسٹیلا کو جمعے کی شام کی وہ ڈرائیو ہی بری لگتی تھی "وہاں ایسا کیا ہے آخر؟" وہ جھلا کر کہتی۔

"وہاں فطرت کا حسن ہے۔ زندگی اپنے سادہ اور سچے روپ میں ملتی ہے۔ نہ فون ہے' نہ ریڈیو۔ نہ ہی کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ۔ نہ کوئی رقابت' نہ مقابلے بازی' نہ تنگ کرنے والے ایڈمنسٹریشن... بس تم' میں' آسمان' نظارے اور دائی گاڈ.... ہوا ایسی نتھری ہوئی شفاف ہوا کہ نشہ ہونے لگے۔"

اسٹیلا کو بیری کی اس قصیدہ خوانی کرتی ہوئی آواز سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی۔ جمعے کی ہر شام جیپ میں بیٹھے ہوئے اسے معلوم ہوتا کہ کاٹیج پر پہلی نظر پڑتے ہی بیری کیا کہے گا "آہ.... تازہ ہوا!" ایک تو بیری ویسے ہی مائل بہ فربہی تھا۔ گہری سانس کھینچنے کے عمل میں وہ اور موٹا اور بھدا لگنے لگتا۔ گہری سانس بھر کر وہ اپنا سینہ اپنے ہاتھ سے بجاتا "اس بن مانس کی طرح جو کسی چیز پر اپنے حق کا اعلان کر رہا ہو۔ پھر وہ کہتا "بائی گاڈ' اس ہوا میں کیسے کیسے ذائقے' کیسی کیسی تو خوشبوئیں ہیں۔"

موسم گرما ہو یا سرما' اسٹیلا کو ہمیشہ وہاں کی ہوا برف جیسی لگی۔ سردی آہستہ آہستہ اس کے بدن کو جکڑنے لگتی۔ اور ہمیشہ کاٹیج پہنچنے کے صرف پانچ منٹ بعد وہ بے ہوشی سے آغاز کرتی اور بالا نوشی تک پہنچ جاتی۔ جیسے ہی اس کے خشک دہن پر جن کا چھینٹا پڑتا' اس کے منہ سے آہ نکلتی۔ اس آہ کے ساتھ پھیپھڑوں میں بھری ہوئی سانس کی واپسی بھی ہوتی تھی۔ اکثر وہ اپنا فرکوٹ اتارے بغیر ہی کاٹیج میں اِدھر سے اُدھر پھرتی۔ سامان کھولتی' چہرے پر پاؤڈر پف کرتی' سگریٹ پیتی اور کھڑکی سے باہر اپنا لاؤ سرسبز زمین کو تکتی رہتی۔ جام ہے ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا۔

جن کے ابتدائی گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد اس کی سب سے بڑی خوشی اسی میں ہوتی کہ وہ کھڑکیوں کے پردے برابر کر کے لائٹ آن کر دے۔ اس عمل سے اسے اپنی پرائیویسی کے محفوظ ہونے کا احساس ہوتا۔ کبھی وہ خود بھی اپنی اس سوچ پر حیران ہوتی۔ کیونکہ وہاں پرائیویسی کو کسی طرح کا خطرہ نہیں تھا۔ بلکہ وہاں تو پرائیویسی ہی پرائیویسی تھی۔ مگر اسے یہ وہم ہوتا تھا کہ باغ میں یا نہیں اور کوئی چھپ کر اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ اس کا اپنا تضاد تھا جو خود بھی عجیب لگتا تھا۔ ایک طرف تو وہ شکایت کرتی تھی کہ یہاں آدم ہے نہ آدم زاد۔ دوسری طرف یہ وہم اسے ستاتا تھا۔

ہر کھڑکی پردے برابر کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خوش مزاج ہو جاتی تھی۔ اسے یہ خوش گوار احساس بھی ہوتا کہ باہر کی نفرت انگیز ویرانی اور مہیب تنہائی سے اس کا رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ پھر وہ اس ویرانی کو بھول جاتی۔ ایک دو گھنٹے تک اسے اپنے اندر وہسکی گلابی آنچ کا ایک شعلہ تھرکتا محسوس ہوتا۔

سات بجے تک وہاں رات ہو جاتی اور سناٹا گہرا ہوتا چلا جاتا۔ دراصل وہاں رات پرندوں کے بسیرے سے مشروط تھی۔ جب تک پرندے دانے دنکے کی تلاش میں اڑتے چہچہاتے' ان کی وجہ سے رونق رہتی۔ اور جب وہ بسیرے کے لئے واپس ہوتے تو رونقیں بھی ساتھ لے جاتے۔ اس کے بعد ہر لمحے اس کی تلخی میں اضافہ ہوتا رہتا۔ اس کے ہونٹ بھنچ جاتے۔ وہ ہر وقت لڑنے کے لئے آمادہ رہتی "میں تمہیں بتا رہی ہوں مسٹر بیری رچرڈسن کہ میں آخری بار اس بے زار کن منحوس مقام پر آئی ہوں" وہ دہاڑتی "یہ کاٹیج نہیں' مقبرہ ہے!" وہ چلاتی "میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکی ہوں آئندہ نہیں کہوں گی۔ مجھے یہ جگہ اچھی نہیں لگتی۔ صحن میں رکھی ہوئی بالٹیاں سخت ناپسند ہیں مجھے۔ تم اپنی یہ سادہ اور خوب صورت زندگی اپنے پاس رکھو۔ میرا تو یہاں دم گھٹتا ہے۔ مجھے یہ پھانسی گھر معلوم ہوتا ہے' سمجھے؟"

ایک دن ایسے ہی غصے اور وحشت کے دورے میں اس نے اپنے ہونٹوں سے لٹکتی ہوئی سگریٹ کو چھوڑ دیا۔ سگریٹ اس کے فرکوٹ کے کالر میں گری۔ وہاں اس نے اچھی خاصی تباہی مچادی۔ ایک منٹ ہو گیا اور وہ خاموش رہی۔ اچانک دھواں دیکھ کر بیری کو خطرے کا احساس ہوا اور اس نے کیسے کیسے جتن کر کے اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے بجھایا۔

"اوہ فور گاڈز سیک' جلنے دو مجھے۔ یوں بھی تو مجھے جلنا ہی ہے۔"

ایسے موقعوں پر اسے خود بھی احساس ہوتا کہ وہ بہت بدصورت لگ رہی ہے۔ اس کی عمر بھی زیادہ لگ رہی ہوگی۔ مگر پھر وہ سوچتی۔ مجھے خوب صورتی کا کیا کرنا۔ ہر ہفتے وہ اپنے بالوں کو مختلف رنگت دیتی۔ حالانکہ اس کے اپنے بالوں کی شہد جیسی رنگت بہت خوب صورت تھی لیکن جب آدمی کو قرار نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔

کھڑکی کے بند پردوں سے کوئی ایک میل اِدھر ایک ندی بہتی تھی۔ موسم سرما میں وہ زیادہ تر خشک رہتی۔ اس کے سینے پر چھوٹے موٹے تالاب سے بنے رہتے لیکن بہار آتے ہی وہ پرشور انداز میں بہنے لگتی۔ اس کا پاٹ بھی بڑھ جاتا۔ کنارے بھر جاتے دن بھر وہاں پرندوں کا میلہ لگا رہتا۔

رات میں کبھی الو کے چیخنے کی کریہہ آواز سنائی دیتی۔ وہ اکثر جاگ جاتی اور ان آوازوں کو سنتی رہتی۔ اسے ایسا لگتا کہ وہ اس کے اندر اٹھنے والی چیخوں کی بازگشت ہے۔ بیری وہاں پہنچ کر زندگی کی سادگی اور حسن میں گم ہو جاتا تھا۔ سادگی اور حسن۔ وہ خود درختوں سے لکڑیاں کاٹتا۔ ان لکڑیوں کو چیرتا۔ پرندوں کو پکڑنے کے لئے زمین پر جال بچھاتا۔ سیب کے درختوں کے لاڈ کرتا۔ پھولوں کی کیاریاں بناتا۔ کبھی ندی پر مچھلی کا شکار کھیلنے چلا جاتا۔ اور کبھی یونہی چہل قدمی کے لئے نکل جاتا۔ یہ اس کی وہ خوشیاں تھیں جنہیں بانٹنے والا کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ ان خوشیوں میں مست ہو کر اپنے اندر..... بہت اندر گم ہو جاتا۔ ایسے میں اسٹیلا کو تنہائی کا بہت شدید احساس ہوتا۔ اس پر ڈپریشن طاری ہو جاتا۔

ایک دن بیری نے اسٹیلا کو کچن ٹیبل کے پاس گھرا پایا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ پہلے جام اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا۔ پھر وہ منہ کے بل ٹوٹے ہوئے جام پر گری تھی۔ خون بہہ رہا تھا مگر اسے ہوش نہیں تھا "میں تم سے بہت محبت کرتا تھا۔ لیکن کس لئے۔ یہ مجھے معلوم نہیں" اس نے جھنجلا کر کہا تھا۔

اور اسٹیلا کو جواب دینے کا ہوش تھا "وہ محبت نہیں' خیرات تھی..... خیرات!"

○☆○

ایک روز وہ دوپہر کے قریب سو کر اٹھی تو ایک حیرت انگیز نظارہ اس کے سامنے تھا۔ وہ مارچ کا مہینہ تھا۔ بلکہ مارچ بھی آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ لیکن برف باری ہوئی تھی۔ غیر متوقع باتیں اور چیزیں کتنی اچھی لگتی ہیں' اس کا اندازہ اسے اس روز ہوا۔

برف ایک فٹ... بلکہ اس سے بھی زیادہ تھی۔ ہر چیز پر برف کی ہموار تہہ تھی۔ درخت' باغیچے کے پودے' زمین سب سفید ہو رہے تھے اور وہ کنوارا سفید رنگ تھا لیکن مارچ کی تیز دھوپ میں نیلگوں لگ رہا تھا۔ ہر چیز.... سب کچھ خوب صورت لگ رہا تھا۔ اسٹیلا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ اٹھی اور بیڈ روم کی کھڑکی کے پاس گئی۔ دھوپ نے برف کو پگھلانا بھی شروع کر دیا تھا۔ چھت سے پانی جھرنے کی طرح گر رہا تھا۔

پھر اسے بیلچے اور پھاوڑے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے نیچے جھانکا۔ باغیچے کے راستے پر بیری پھاوڑا ہاتھ میں لئے بڑی جاں فشانی سے برف ایک طرف ہٹا رہا تھا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور وہ اکیلا نہیں تھا۔ انیس بیس سال کی عمر کا ایک سیاہ بالوں والا لڑکا بھی اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔

اسٹیلا کو سردی کا احساس ہوا۔ اس نے اپنے نائٹ گاؤن ہی پر فرکوٹ پہنا اور نیچے چلی آئی۔ اس نے کافی کا پانی رکھا ہی تھا کہ بیری کا چہرہ کچن کے دروازے میں نمودار ہوا "یہ لڑکا سعید خان ہے۔ میں لاہور میں اس سے ملا تھا۔ ہر فن مولا ٹائپ کا لڑکا ہے۔"

"یہ کس قسم کا تعارف ہے۔"
"نیٹ بکس۔ مسز بیری بیچلڈ سن۔ سعید خان سے ملئے۔ میرا لاہور کا دوست" بیری نے مسخرے پن سے کہا "ویسے زبردست برف باری ہوئی ہے۔"
"میں دیکھ رہی ہوں۔"
"یہ بھی حیرت انگیز بات ہے۔ ارے واہ.... کافی کی خوشبو کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ سنو' یہ لڑکا صبح آٹھ بجے سے برف ہٹانے میں لگا ہوا ہے۔ بڑا جان دار لڑکا ہے۔"
"میں تمہاری بات سمجھ رہی ہوں لیکن میرا خیال ہے' پہلے اسے ناشتا کرنا چاہئے۔ تم پوچھ لو اس سے۔ میں انڈے فرائی کروں گی۔"

بیری نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ سو کر اٹھی تھی۔ اس نے میک اپ بھی نہیں کیا تھا اور بہت زرد لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر برف سے منعکس ہونے والی دھوپ تھی۔ پیلے پن کے باوجود اس کے چہرے پر زندگی کی رونق تھی۔ اس کے انداز میں بھی وہ اضمحلال کشیدگی اور سوگواری نہیں تھی' جو ہر صبح نظر آتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ برف نے اسے اس کی بے خبری میں مسحور کرلیا ہے۔ وہ بہت پُرسکون لگ رہی تھی پھر یہ انڈے تلنے کی پیشکش.....
حالانکہ یہ ناشتے کا وقت نہیں تھا۔ بیری دوبارہ باغیچے میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا "ہاں اسٹیلا' لڑکا ناشتا کرے گا۔ میں بھی کروں گا۔ یہ بہت سخت کام ہے۔ ہم دونوں ہی بھوکے ہوگئے ہیں۔"

پندرہ منٹ بعد وہ تینوں کچن ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ دونوں مرد ناشتے پر ٹوٹ پڑے تھے جبکہ اسٹیلا میز پر کہنیاں ٹکائے کافی کی پیالی سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ لڑکا بڑے جنگلی پن سے کھا رہا تھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر برا نہیں لگ رہا تھا۔ ایک اور حیرت انگیز بات لڑکے کی خود اعتمادی تھی۔ عام طور پر ہندوستانی لوگ شدید احساسِ کمتری میں مبتلا تھے۔ اول تو وہ کسی انگریز کے ساتھ کھانے کی میز پر ہی نہ بیٹھتے۔ بیٹھتے تو تمام وقت چھری کانٹے میں الجھے رہتے۔ ٹھیک طرح سے کھا بھی نہ پاتے مگر یہ لڑکا اپنے طریقے سے کھا رہا تھا اور انداز سے لگتا تھا کہ اسے ان دونوں کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہے اور اگر احساس ہے تو پروا نہیں ہے۔
لڑکے کی بھوری آنکھوں میں ہلکی سی نیلاہٹ تھی۔ وہ بے حد چمک دار آنکھیں تھیں اور آرپار دیکھتی محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن وہ انہیں اٹھا کم ہی تھا۔ اس کی پیشانی غیر معمولی کشادہ تھی۔ اس کی بھویں بہت گھنی اور خمیدہ تھیں' ایسی کہ اس کی آنکھیں گھونسلوں میں رکھے ہوئے انڈوں جیسی لگتی تھیں۔
اسٹیلا کو احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ اسے مسلسل دیکھ رہی ہے۔ لڑکے کو اس بات کا احساس ہوگیا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً نظریں اٹھاتا' کن انکھیوں سے اسے دیکھتا اور تیزی سے نظریں جھکالیتا'

اب وہ نروس ہو رہا تھا اور کھانے کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔
"میں کچھ اور انڈے تل دیتی ہوں" اسٹیلا نے کہا "بس ایک منٹ لگے گا۔"
"نہیں میم صاب شکریہ" لڑکے نے جلدی سے کہا "میں تو کھا چکا....."
"او کم آن" بیری نے اس کی بات کاٹ دی "تمہیں ضرورت ہے کھانے کی۔ گیراج تک کا راستہ صاف کرنا ہے ابھی۔ بہت سخت کام ہے۔"
"نہیں جی۔ اتنا سخت بھی نہیں۔"
اسٹیلا نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔ کام تو بلاشبہ سخت تھا لیکن وہ اتنا جاندار تھا کہ اسے کوئی کام بھی سخت نہیں لگتا ہوگا۔ وہ اٹھی اور اسٹوو کی طرف چل دی۔ اس نے اسٹوو جلایا' انڈے تلے اور پھرتی سے پاٹ میں کافی انڈیلی۔ بیری اسے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا ہر انداز آج غیر معمولی تھا ورنہ وہ تو اس وقت شراب کے نشے میں ہوتی تھی۔ کسی کا خیال کرنا اور اتنی پھرتی سے کام کرنا' اس کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ وہ اتنا حیران تھا کہ اس نے فقرے چست کرنے شروع کردیئے "کیا بات ہے۔ آج تو بڑی چست ہو رہی ہو۔ پیاری بھی لگ رہی ہو۔"
"اچھا۔ مجھے تو احساس ہی نہیں ہوا۔ کیا واقعی؟"
"آج تو تم ابابیل کی طرح خوش مزاج اور خوش گلو بھی ہو رہی ہو۔"
"یقین نہیں آتا" اسٹیلا نے کہا "شاید یہ برف کا کمال ہے۔"
ابابیل کے تذکرے پر لڑکے کے ہاتھ رک گئے "ابابیلیں تو آچکی ہیں۔ کل ہی میں نے ابابیل دیکھی تھی" اس نے شرمیلے لہجے میں کہا۔
"میں تو سمجھتی تھی کہ وہ صرف موسم گرما میں آتی ہیں۔"
"نہیں میم صاب۔ بس یہ آخری برف باری ہوئی ہے اور یہ بھی بے وقت ہے" لڑکے نے کہا "ابابیلیں سردی رخصت ہوتے ہی آجاتی ہیں۔ ابابیلیں واپس آجائیں تو سمجھ لیں کہ بہار آنے والی ہے۔"
"کیسی ہوتی ہے ابابیل؟ میں نے کبھی نہیں دیکھی" اسٹیلا بولی۔
لڑکے نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ حیرت اور بے یقینی ایسی تھی کہ وہ چند لمحے جواب بھی نہ دے سکا۔ پھر وہ اسے ابابیل کے متعلق بتانے لگا "میں آج ہی آپ کو دکھاؤں گا ابابیل" اس نے کہا "دھوپ بہت تیز ہے۔ ابابیلیں ضرور نکلیں گی۔"
"اتنی سردی میں ٹھٹھر کے مر نہیں جائیں گی؟" اسٹیلا نے پوچھا۔
"سردی اتنی تو نہیں ہے۔ برف پڑتی ہے لیکن دھوپ بھی تو بہت تیز ہے" لڑکے نے کہا "لیکن آپ کی بات ٹھیک ہے۔

ابابیلوں کو سردی راس نہیں۔ اسی لیے تو سردی آنے سے پہلے ہی یہ نیچے کے علاقوں کی طرف اڑ جاتی ہیں۔"

"تو یہ ہجرت بھی کرتی ہیں؟"

"جی میم صاحب۔ یہاں یہ ایسے آتی ہیں جیسے صاب لوگ سیزن گزارنے آتے ہیں۔ زیادہ تر یہ اپنے پرانے گھونسلوں میں آ کر رہتی ہیں۔ بہار میں انڈے دیتی ہیں۔ بچے نکلتے ہیں۔ گرمی گزرتے گزرتے بچے بڑے ہو جاتے ہیں پھر یہ اڑ جاتی ہیں۔"

"گھونسلا کیسا ہوتا ہے ان کا؟"

"بہت خوب صورت۔ میم صاب جیسے ہم لوگ مکان بناتے ہیں مٹی سے ویسے ہی یہ بھی بناتی ہیں۔ گندھی ہوئی گاڑھی مٹی اور اس کے ساتھ بھوسا۔ چھت سے تھوڑا نیچے کسی چیز کے سہارے سے بناتی ہیں۔ گڑا جیسا ہوتا ہے۔ صرف دو ابابیلیں رہ سکتی ہیں ان میں۔"

"مجھے دکھاؤ بھی۔"

"ضرور دکھاؤں گا۔"

ہیری ہنسنے لگا "لگتا ہے تم سعید خان کی شاگردی اختیار کرلو گی" اسے خوشی تھی کہ اسٹیلا زندگی میں دلچسپی لے رہی ہے۔ اس سے پہلے شاید اس نے پرندوں کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ یہ بہت اچھی علامت تھی۔ برف باری نے کمال کر دکھایا تھا۔

"یہاں زیادہ پرندے نظر نہیں آتے" اسٹیلا بدستور سعید خان کی طرف متوجہ تھی۔

"یہاں تو ہر طرح کے پرندے ہیں۔ مینائیں تو کثرت سے ہیں۔ بلبل ہدہد اور کیا بتاؤں۔ سیکڑوں ذات کے رنگ برنگ پرندے۔"

اسٹیلا کھلکھلا کر ہنس دی "پرندوں کے قصے تو بہت سنے ہیں میں نے۔ لیکن دیکھے صرف کوے ہیں۔"

"آپ گھر سے نکلتی ہی نہیں ہوں گی۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے سعید خان" ہیری نے تائید کی "میم صاحب کا اس ویرانے میں دل ہی نہیں لگتا۔ اسی لیے کاٹیج میں بند رہتی ہیں ہر وقت" اس نے کافی کی پیالی خالی کر کے رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا "اب ہم چلتے ہیں مسز رچرڈسن" اس نے شگفتگی سے کہا۔ "پرندوں کے بارے میں کوئی اور سوال؟"

"لڑکا ابھی ناشتا کر رہا ہے۔ اتنی جلدی کیا ہے" اسٹیلا نے کہا۔

"میں جلد از جلد گیراج کا راستہ صاف کر دینا چاہتا ہوں" ہیری نے کہا۔ پھر وہ لڑکے کی طرف مڑا "میں گیراج کی طرف سے صفائی شروع کرتا ہوں۔ تم اطمینان سے ناشتا کر کے آنا۔"

ہیری کے جانے کے بعد اسٹیلا دس منٹ تک لڑکے کے ساتھ اکیلی رہی۔ کھڑکی کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ جبکہ لڑکا اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہ سحر زدہ سی اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔ وہ آنکھیں اس پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اس کی خود اعتمادی جیسے سلب ہو رہی تھی۔ اس نے سگریٹ سلگائی تو اس کے ہاتھ لرز رہے تھے لیکن یہ غیر معمولی بات نہیں تھی۔ سو کر اٹھنے کے بعد اس کا یہی حال ہوتا تھا۔ ہاتھوں کی لرزش کے نتیجے میں ماچس اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ لڑکے نے جھک کر ماچس اٹھائی۔ سگریٹ اسٹیلا کے ہونٹوں میں دبی ہوئی تھی اور سلگ نہیں سکی تھی۔ لڑکے نے دیا سلائی جلا کر ادب سے اس کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ سعید خان۔ بڑی مہربانی" اس نے کہا۔

سعید خان کچھ کہے بغیر پھر پلیٹ پر جھک گیا۔

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"قریب ہی گاؤں ہے میرا۔"

"تم مسلم ہو نا؟"

"جی ہاں میم صاب۔"

"یہاں ہندو تو بہت رہتے ہیں؟"

"جی ہاں میم صاب" سعید خان نے پلیٹ صاف کی اور اٹھ کھڑا ہوا "کوئی ابابیل نظر آئی تو میں آپ کو ضرور بتاؤں گا۔"

"میں باہر آنا چاہوں تو بوٹ پہننا ضروری ہوگا؟" اسٹیلا نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ راستہ صاف ہے۔ ویسے بھی دھوپ میں برف سخت ہو رہی ہے۔"

اچانک اسٹیلا کے اندر شدت سے خواہش ابھری کہ وہ اوپر جائے اور کپڑے بدلے۔ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ وہ نائٹ گاؤن میں ہی رہتی تھی۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے کوئی دھواں دھواں خواب ہے جس میں وہ چل پھر رہی ہے۔

اس روز اس نے اپنے لیے سبز ٹویڈ کا ڈریس نکالا' سلیقے سے بال برش کیے' ہلکا سا میک اپ کیا۔ یہاں تک کہ آخری لمحے میں اس نے موتیوں کے چھوٹے ایئر رنگ کانوں میں ڈال لیے۔ موتیوں کی ایک مالا بھی گلے میں ڈال لی۔ اس چکر میں اسے برتنوں کا خیال ہی نہیں رہا۔ سنے ہوئے برتن دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس کی یہ حرکت احمقانہ ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس کے اندر پینے کی خواہش شدت سے ابھری۔ جاگے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی اور اس نے گلا تر بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اپنے لیے جام بنا رہی تھی کہ باہر سے لڑکے نے اسے پکارا۔

"میم صاب!"

اس نے جام چھوڑا اور باہر چلی گئی۔ باہر مارچ کی تیز دھوپ تھی۔ برف پگھل رہی تھی اور ہر طرف ٹپ ٹپ لگی تھی۔ آسمان صاف تھا۔ برف کے پس منظر میں لڑکا زیادہ دراز قد' زیادہ جسیم لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ بھی زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔

"وہ دیکھیں... اوپر" لڑکے نے ہاتھ سے اشارہ کیا "یہ ہے ابابیل۔"

اسٹیلا نے سر اٹھا کر دیکھا "اتنی چھوٹی؟"

"جی ہاں۔"

اسٹیلا دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ابابیل کو بولتے سنا۔ اسے لگا کہ اس کے سینے میں بہت سی ابابیلیں اڑ رہی ہیں۔ گانا گا رہی ہیں۔ وہ لمحہ اس کے لیے بے ساختہ' سادہ اور غیر معمولی مسرت کا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور خوشی سے چلائی "میں نے دنیا میں اس سے زیادہ خوب صورت کوئی چیز نہیں دیکھی اور میں نے اس سے خوب صورت آواز کبھی نہیں سنی۔ بیوٹی فل!"

○☆○

برف اور ابابیل کی یکجائی کا وہ منظر اسٹیلا کے ذہن پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ کاٹیج سے اسے سچی خوشی ملی تھی۔ گرد و پیش کی ویرانی اب اسے مقدس لگ رہی تھی۔ سادگی میں لپٹی ہوئی وہ اچھوتی خوب صورتی اچانک ہی اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ سادہ زندگی..... واہ!

"یہ لڑکا سارے کام کر سکتا ہے۔ کھانا پکا لیتا ہے۔ رنگ و روغن کرا لو۔ مالی کا کام بھی کر دے گا۔ اچھا خاصا الیکٹریشن بھی ہے۔ کھانا بھی سرو کر سکتا ہے" ہیری نے اسے بتایا۔

"تو ہمیں کون سی ڈنر پارٹیاں دینی ہیں۔ ہم تو یہاں مصروفیت سے فرار کی خاطر....."

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اس سے رنگ و روغن کا کام کرا لوں۔ کچن کے لیے وال پیپر۔ کاٹیج کی شکل نکل آئے گی۔ اتنا عرصہ ہو گیا۔ اب تو یہ اجاڑ لگنے لگا ہے۔"

"یہ تمہارا اور تمہارے کاٹیج کا معاملہ ہے۔ میں کون اس معاملے میں بولنے والی۔ لیکن کیا اس لڑکے کو یہاں اکیلا چھوڑنا مناسب ہوگا؟"

"ارے.... میں اسے لاہور سے جانتا ہوں۔ اور پھر اس کا گاؤں یہاں قریب ہی ہے۔ ایک بات بتا دوں' یہ لوگ چور اور بے ایمان ہرگز نہیں ہیں۔"

"پھر بھی.... خیر تم جانو" اسٹیلا نے بے پروائی سے کہا۔

"اس مسئلے کا ایک آسان حل یہ ہے" ہیری نے کہا "تم اس ہفتے یہاں رک جاؤ۔ کام کی نگرانی بھی کر لینا اور اس پر نظر بھی رکھنا۔"

اسٹیلا خاصی رد و قدح کے بعد مان گئی "لیکن مجھے گاڑی کی ضرورت ہوگی۔ مانسہرہ جا کر پینٹ اور دوسری چیزیں لاتا ہوں گی۔ ویسے میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ یہ برف پر ڈرائیو کرنا مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

"ارے... کل تک برف کا نام و نشان بھی نہیں رہے گا۔ دیکھو نا بارش کے آثار ہیں۔"

"کاش ایسا نہ ہو۔ برف مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ چند دن تو رہے۔"

بہرکیف یہ طے پا گیا۔ ہیری نے سعید خان سے بات بھی کر لی۔

اگلی صبح سعید خان نے کچن کی آرائش کے لیے تیاری شروع کر دی۔ باہر چاروں طرف اب بھی برف تھی۔ البتہ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے تالاب سے بن گئے تھے۔ برف جہاں نرم تھی وہاں تیز دھوپ نے اسے پگھلا دیا تھا "تو تمہارے خیال میں یہ رنگ بہت اسٹرانگ رہے گا۔" اسٹیلا نے سعید خان سے کہا۔

"جی ہاں۔ میرا خیال ہے گرین مناسب ترین رنگ ہے۔"

"تم ذوق بھی رکھتے ہو اور تمہیں رنگوں کی تمیز بھی ہے۔"

پہلے دن اسٹیلا ریگ مال سے دیوار صاف کرتی رہی جبکہ سعید خان تازہ پلاسٹر سے دیواروں کے رخنے بھرنے میں مصروف رہا۔

"یہاں مچھلی کی بو بری طرح رچی ہوئی ہے" اسٹیلا نے شکایت کی۔

سعید خان کا چہرہ شرمندگی سے تمتما اٹھا "یہ میرے کپڑوں سے آ رہی ہوگی میم صاب" اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا "میں یہی کپڑے پہن کر مچھلیاں پکڑنے گیا تھا۔"

"اوہ۔ کبھی مچھلی پکڑی بھی ہے تم نے؟" اسٹیلا کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"جی ہاں۔ ہم مچھلی کے شکار کو جاتے رہتے ہیں۔"

"کہاں جاتے ہو؟"

"یہ نیچے ٹھاکوٹ ہے نا۔ وہاں دریا ہے۔ بہت بڑا دریا ہے۔"

"بوٹ ہے تمہارے پاس؟"

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا "نہیں میم صاب جی" پھر اس نے پوچھا "آپ کو مچھلی اچھی لگتی ہے؟"

اسٹیلا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگلی بار ہاتھ لگی تو آپ کے لیے مچھلی ضرور لاؤں گا۔"

"سو سویٹ آف یو۔ تم تو بہت شاندار آدمی ہو۔"

یہ اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی تعریفیں سعید خان پر اثر انداز ہوتی رہیں۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ میم صاب اسے پسند کرنے لگی ہیں اور ان کا انداز اس کے ساتھ مشفقانہ ہے۔ اس نے سوچا کہ اس کا بھی فرض ہے کہ ہر طرح سے ان کا خیال رکھے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو ان کے لیے ناپسندیدہ ہو۔ اس نے انہیں مچھلی کی بو سے بچانے کے لیے اپنا سویٹر اور قمیص بھی اتار دی۔ وہ سردی کے باوجود صرف بنیان میں کام کرتا رہا۔

اسٹیلا وقفے وقفے سے اسے چائے بنا کر دیتی رہی۔ ہر بار اپنے لیے وہ ایک جام بھی بناتی۔ اس نے اسے شراب کی دعوت نہیں دی۔ کیونکہ وہ کم عمر تھا "اگر تم چاہو تو کل میں تمہارے لیے بیئر لے آؤں گی۔ چائے کی بجائے بیئر پینا تم۔"

"شکریہ میم صاب۔ اس کی ضرورت نہیں۔ چائے مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

اسٹیلا کبھی کبھی بے اختیار اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگتی تھی۔ کئی بار ایسا ہوا کہ عین اسی لمحے سعید خان کی نظریں بھی اٹھ گئیں۔ چند لمحے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا اور پھر گھبرا کر نظریں

بھگا لیتا۔

"سہ پہر ہو گئی میں تو تھک کر چور ہو گئی ہوں" اسٹیلا نے کہا۔ "تم نہیں تھکے؟ صبح سے جٹے ہوئے ہو۔"

"نہیں میم صاب۔ میں کبھی نہیں تھکتا۔"

"تم ابھی تم جوان ہو نا۔ کڑیل جوان! جوانی اور تھکن کی آپس میں نہیں بنتی۔"

○☆○

اگلی صبح وہ آیا تو اس کی سائیکل کے کیریر پر ایک ٹوکری بندھی ہوئی تھی۔ اس نے سائیکل اسٹینڈ پر کھڑی کی اور ٹوکری اتار کر اندر لے آیا "میں آپ کے لئے مچھلیاں لایا ہوں میم صاب" اس نے کہا "یہاں سے جانے کے بعد میں دریا پر چلا گیا تھا۔ دو بجے گھر واپس آئے ہم۔"

"کیا ضرورت تھی۔ جم کر رہ گئے ہو گے۔"

"نہیں جی۔ سردی میں تو مچھلی کھانے کا مزہ آتا ہے۔ ہمیں سردی کا پتا تو نہیں چلتا۔"

اسٹیلا اس پر اظہار رشک کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ اس نے مچھلیاں دیکھیں "اتنی مچھلیاں! میں کیا کروں گی اتنا۔ یہ تو ہفتوں چلیں گی۔ میں تو کھانا کم ہی کھاتی ہوں۔"

"آپ کہیں تو میں مچھلی تل دوں۔ یہ چھوٹی مچھلیاں تو محفوظ کی جا سکتی ہیں۔ بڑی والی تازہ ہی اچھی رہتی ہیں۔ دوپہر کے کھانے پر تل دوں گا۔"

"ہاؤ سویٹ آف یو۔ لیکن کچن اتنے برے حال میں ہے۔ ایسے میں تو مجھ سے کچھ کھایا نہیں جاتا۔"

"تو چلیں' رات کے کھانے پر سہی۔"

اسٹیلا کھل اٹھی "یہ ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ تمہارا۔ مگر میں اتنی مچھلی اکیلے نہیں کھا سکتی۔ تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

شام سات بجے تک دیواروں کے رخنے بھر دیے گئے۔ پرانا پینٹ بھی کھرچ دیا گیا۔ کچن کی صفائی بھی ہو گئی۔ سات بجے سعید خان نے مچھلی فرائی کرنے کی تیاری شروع کی۔ ٹوکری میں ایک سفید ایپرن بھی تھا۔ اس نے وہ باندھ لیا۔ اسٹیلا حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔ اس کا انداز پروفیشنل تھا۔ پھر وہ ہر کام بڑی نفاست سے کر رہا تھا۔ اس نے مچھلی تلنے کے علاوہ آلو کے قتلے بنائے۔ سلاد بھی تیار کی "مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ تم اتنے پرسکون ہو کر کام کرتے ہو۔ یہ سب کچھ کیسے سیکھا تم نے؟"

"میں لاہور میں کرنل بیگ کے بنگلے پر کام کرتا رہا ہوں۔" سعید خان نے شرمیلے لہجے میں بتایا۔

"بڑے سلیقے سے کام کرتے ہو تم۔ میں اتنے سارے کام کرنے کا سوچ بھی لوں تو پاگل ہو جاؤں۔ میں تو بیٹھی رہتی ہوں۔ کوئی کام ہی نہیں ہوتا مجھ سے۔"

انہوں نے سٹنگ روم میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اسٹیلا نے دو قسمیں روشن کی تھیں۔ اسٹیلا تمام وقت مچھلی کی تعریف کرتی رہی۔ "میں نے کبھی اتنی لذیذ مچھلی نہیں کھائی۔ اور آلو بھی بہت عمدہ ہیں۔ تم تو جینئس ہو لڑکے۔ میں تمہیں مستقل طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔"

"آپ جب جی چاہے حکم کر دیا کریں" سعید خان نے کہا۔ "مجھے آپ کے لئے کھانا پکا کر خوشی ہو گی۔"

"تم بہت پیارے لڑکے ہو.... بہت قیمتی۔"

○☆○

وہ بازار جا کر پینٹ' وال پیپر اور دوسری چیزیں لے آئی تھی۔ سعید خان نے کام شروع کر دیا تھا۔ کچن کو اس نے سب سے پہلے نمٹا دیا تھا۔ اسٹیلا اس سے بہت خوش تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اتنے برسوں کے بعد وہ زندگی سے خوش تھی۔ وہ اسے ڈارلنگ کہہ کر پکارتی تھی۔

اس روز بھی کھانا اس نے ہی پکایا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے برتن دھونے پر بھی اصرار کیا تھا۔ اس دوران اسٹیلا آتش دان کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں برانڈی کا گلاس تھا جس سے وہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی۔ سعید خان برتن دھو چکا تو اسٹیلا نے اصرار کر کے اسے آتش دان کے سامنے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اس وقت تک اسٹیلا برانڈی کے کئی جام پی چکی تھی۔ وہ بڑی خوب صورت خواب ناک کیفیت تھی۔ وہ بے خودی کے عالم میں بولے جا رہی تھی "میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس گھر میں اتنا اچھا وقت بھی گزر سکتا ہے۔ یہ تمہارا ہی کمال ہے۔"

اسٹیلا کے نزدیک اس میں کوئی غیر فطری بات نہیں تھی کہ وہ اس کی طرف بڑھے اور اس کے گھٹنوں پر نرمی اور آہستگی سے اپنا سر رکھ دے۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ ایسے موقعوں پر سعید خان کا پورا جسم کسی کمان کی طرح کھنچ جاتا تھا۔ وہ نروس ہو جاتا تھا۔ ان کے درمیان خاموشی بڑی کشیدہ ہوتی تھی۔

ایسے ہی ایک موقع پر سعید خان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے اور انہیں بڑی محبت سے سہلانے لگا لیکن اس کے اپنے ہاتھ لرز رہے تھے۔ اسٹیلا استعجاب آمیز مسرت سے اسے دیکھتی رہی۔ اچانک سعید خان نے اپنا چہرہ جھکایا اور اس کے ہاتھوں کو بے تابانہ چومنے لگا۔ اسٹیلا کے نزدیک یہ بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ نشہ دھند کی طرح اس کے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔ اسے نجانے کیوں سعید خان پر ترس آنے لگا۔ پھر اسے احساس بھی نہیں ہوا۔ اس نے اسے چھیڑنا' بھڑکانا شروع کر دیا "تم بہت ہی پیارے لڑکے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ ہزاروں لڑکیاں تم پر مرتی ہوں گی۔"

"نہیں.... نہیں میم صاب" وہ بڑبڑایا۔

"جھوٹ مت بولو ڈارلنگ۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"میں نہیں مانتی۔"

"میری منگنی ہو چکی ہے۔ مگر میری منگیتر بڑی نا سمجھ ہے۔ آپ جیسی تو بالکل نہیں ہے۔"

"اب تم مجھے بتاؤ گے کہ تمہیں زیادہ عمر کی عورتیں اچھی لگتی ہیں.... ہے نا؟" اسٹیلا نے کہا اور زور سے ہنسنے لگی "بیوٹی فل بوائے۔"

اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ خاموشی اسٹیلا کے لئے طمانیت بخش تھی جبکہ سعید خان نروس ہو رہا تھا۔

پھر اسٹیلا نے ہی خاموشی توڑی "ڈارلنگ' میرے لئے برانڈی کا ایک اور جام بناؤ۔ بڑا جام۔"

کچھ دیر اور گزری تو اسٹیلا کو اپنے ہونٹوں پر قابو نہیں رہا۔ اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ لفظ گڈمڈ ہونے لگے۔ وہ بات بے بات ہنسنے لگی۔ ذہن پر چھائی ہوئی دھند اور گہری ہونے لگی۔ اس نے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کھلنڈرے پن سے کہا "تم مجھے پیار کرنا چاہتے ہو؟ اچھا کر لو۔ مگر صرف آج کے لئے میں تمہیں اجازت دے رہی ہوں۔"

اس کے بعد کچھ پرجوش لمحے آئے۔ اس نے سعید خان کے بے قابو ہاتھوں کو اپنے جسم پر مچلتے دیکھا۔ مگر پھر اچانک جیسے چلتے چلتے فلم ٹوٹ گئی۔ اس سے پہلے اس نے سعید خان کی آہ سنی تھی۔ مگر اس وقت تک اس کی بے خودی میں سپردگی مکمل ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہا۔ بس اسے یاد تھا کہ وہ اسے چھوڑ گیا ہے۔ کئی گھنٹے بعد وہ جاگی۔ شاید سردی کا احساس اسے ہوش میں لایا تھا۔ آتش دان سرد ہو چکا تھا اور اس پر تھرتھری چڑھی ہوئی تھی اس کے علاوہ تنہائی کا مہیب احساس بھی تھا۔ جیسے تیسے وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی بستر تک لے گئی۔

○☆○

اگلے روز سعید خان سٹنگ روم کی دیواروں پر رنگ کر رہا تھا۔ کبھی پینٹ کی ضرورت ہوتی تو وہ ڈبا اسے دیتا اور وہ ڈبے میں پینٹ انڈیل کر اسے دے دیتی۔ ایک گھنٹا ہو گیا "تم نے کل میرے ساتھ بہت زیادتی کی" اسٹیلا نے بالکل اچانک کہا۔

سعید خان کا برش والا ہاتھ جیسے بے قابو ہو گیا "آپ مجھ سے خفا ہیں؟"

"گاڈ نو۔ لیکن ہر عورت چاہتی ہے کہ اس کی مرضی بھی معلوم کی جائے۔"

"آپ نے مجھے اجازت دی تھی" اس نے شرمیلے پن سے کہا۔

"مجھے تو یاد نہیں" اسٹیلا نے کہا۔ پھر اچانک ذہن میں جھماکا سا ہوا اور اسے یاد آ گیا "ہاں..... یاد آ گیا مجھے۔ پھر تم مجھے چھوڑ کیوں بھاگے؟"

"وہ میں اجازت کی حد سے بڑھنے والا تھا۔ اس لئے۔"

"یوں کہو کہ تم ناکام رہے۔"

سعید خان کے پاس اس زخمی کر دینے والے تبصرے کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کی انا کو ٹھیس لگی لیکن اسٹیلا کو احساس نہیں ہوا کہ وہ بے رحمانہ تبصرہ تھا "سنو ڈارلنگ' ایسی باتیں سیکھنی پڑتی ہیں۔ یہ آرٹ ہے ڈیئر۔"

سعید خان اب بھی گم تھا۔ اس کی گویائی جیسے سلب ہو گئی تھی۔ اچانک اسٹیلا کو احساس ہوا کہ اس نے ایک غیر متعلق بات کہی ہے "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم بہت پیارے لڑکے ہو۔ کیا میں بہت نشے میں تھی؟"

"جی۔ میرا خیال ہے کہ بہت زیادہ۔"

"میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ میں نشے میں بہت نرم مزاج اور رحم دل ہو جاتی ہوں" اسٹیلا نے اپنے طور پر صفائی پیش کی۔

"آپ ہر حال میں اچھی ہیں۔"

"لیکن ایسے موقعوں پر عورت ہوش میں رہنا چاہتی ہے" "کیا"

اس نے موضوع بدلا "میں تمہارے لئے کافی بنا لاتی ہوں۔"

لڑکا بجھ کر رہ گیا۔ اسٹیلا کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ کافی بنا کر لائی "سنو لڑکے' یہ منہ کیوں لٹکا لیا ہے تم نے؟"

"جی.... نہیں تو۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ تم مجھے پیار کر سکتے ہو۔ کیا چاہتے ہو تم؟"

"نہیں جی۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ اسی طرح تو بات آگے بڑھتی ہے" لڑکے نے دانش مندی سے کہا۔

اسٹیلا کو اس کا جواب اچھا لگا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی "برف تو بہت تیزی سے پگھل رہی ہے۔"

"جی ہاں میم صاب۔"

"میں کافی نہیں پینا چاہتی" اسٹیلا نے اچانک کہا "میں برانڈی لوں گی" ایک بجے تک وہ یکے بعد دیگرے جن کے کئی جام حلق سے اتار چکی تھی۔ اس کے اندر محبت اور سرشاری کروٹ لے رہی تھی۔ وہ بڑی گرم جوشی سے باتیں کر رہی تھی۔ بلکہ وہ کچھ زیادہ ہی بول رہی تھی۔ اس وقت [illegible] بھی اسے دیکھتا تو یقین نہ کرتا کہ یہ وہی اس کی لڑاکا بیوی ہے۔

"تم میرے پاس روز آیا کرو گے نا؟ دیکھو ڈارلنگ' روز آنا۔ تم سے بات نہ کروں تو لگتا ہے پاگل ہو جاؤں گی۔ اور ہاں' مچھلی بھی لاؤ گے نا۔"

"جی ہاں۔ لاؤں گا بھی اور پکاؤں گا بھی۔ مگر اس کے لئے مجھے ایک دو گھنٹے پہلے جانا ہو گا۔"

"مجھے چھوڑ کر بھاگ جانا چاہتے ہو۔ مجھے تنہا چھوڑ کر۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میں تو مچھلی کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں ڈارلنگ۔ تم جاؤ۔"

"بہتر میم صاب۔"

"میم صاب نہیں۔ میں مسز جڈسن ہوں۔"

"بہت بہتر مسز جڈسن۔"

"واپس رات کو آؤ گے؟"

"امید تو یہی ہے۔"

"بس تو میں آتش دان روشن رکھوں گی۔ آج میں تمہیں بہت

کچھ سکھاؤں گی۔"
سعید خان کا چہرہ تپنے لگا۔
"ہاں۔ مجھے پیسے لینے یاد۔ وائن بھی لے آنا۔"

○☆○

سعید خان کا رات کو کالج جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مسز رچرڈسن نے اسے جو کچھ سکھانے کو کہا تھا وہ سیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ وہ محکوم سہی لیکن بہرحال مرد تھا اور وہ حاکم سہی مگر عورت تھی۔ اس نے اس کی مردانگی کو للکارا تھا۔ وہ دو طرح سے اس کا بدلہ لے سکتا تھا۔ ایک تو اسے پامال کر کے۔ لیکن ایک انجانی حس اسے بتا رہی تھی کہ اس میں جیت انگریز میم کی ہی ہوگی۔ وہ تو چاہتی ہی یہی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ اس کے لئے ناقابل حصول ہو جائے۔ وہ اس کی آنکھوں میں نفسانی خواہش دیکھ چکا تھا۔ اسے تشنہ رکھنے میں ہی اس کی جیت تھی۔
مگر یہ کام مشکل بھی تھا۔ وہ بہرحال ایک مرد تھا اور اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ عورت مرد کو بہ آسانی بہکا سکتی ہے۔ اس کے پاس مدافعت کے لئے دو ہتھیار تھے۔ ایک تو مذہب جو گناہ سے روکتا تھا۔ دوسرے یہ حقیقت کہ مسٹر پیری رچرڈسن انگریز ہونے کے باوجود اسے اچھا انسان لگا تھا۔ عام انگریزوں کی طرح اس نے اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ نہیں کیا تھا۔ اس کا بہکنا ایک اچھے انسان کے ساتھ غداری کے مترادف ہوتا۔ وہ گھر پہنچا تو اسی الجھن میں تھا۔ گھر سے نکلا تو باہر وزیر خان سے ملاقات ہو گئی "یارا۔ تم کہاں غائب ہو آج کل؟" وزیر خان نے کہا۔
"کام مل گیا ہے۔ تمہیں بتانے کا موقع ہی نہیں ملا۔"
"کہاں مل گیا کام؟"
"ادھر اوپر ایک انگریز صاحب کا بنگلا ہے۔ اچھا آدمی ہے یارا۔"
"قسمت والے ہو تم۔ اپنی تو لاہور کی کمائی چل رہی ہے۔ سوچتا ہوں پھر لاہور چلا جاؤں۔"
سعید خان جانتا تھا کہ گھر میں ریشم کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وزیر خان کا لاہور جانا ٹھیک نہیں تھا۔ پھر اسے ایک آئیڈیا سوجھ گیا۔ اس نے چند لمحے غور کیا۔ پھر دل میں سوچا۔ واہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام والا معاملہ ہے۔ وہ وزیر خان کو اپنے ساتھ کام پر لے جا سکتا تھا۔ وہ میم صاب سے بھی محفوظ ہو جاتا اور وزیر خان لاہور بھی نہ جاتا "یارا..... کل سے تم بھی میرے ساتھ چلو نا کام پر" اس نے کہا۔
"تمہارا صاب اعتراض نہیں کرے گا؟"
"او یارا، تم میرے ساتھ چلو۔ میرا ہاتھ بٹانا۔ صاب جو بھی دے گا وہ آدھا آدھا کر لیں گے۔"
وزیر خان سوچ میں پڑ گیا "پھر بھی، تم پہلے پوچھ لو صاب سے۔"
"صاب تو ہفتے کو آئے گا۔ یہاں تو صرف میم صاب ہے۔ تم بس کل میرے ساتھ چلو۔"
وزیر خان ہچکچایا۔ مگر پھر مان گیا۔ اس میں اس کا نقصان تو کوئی نہیں تھا۔ سعید خان نے بھی سکون کی سانس لی۔ بڑا مسئلہ حل ہو گیا تھا "بس تم نو بجے تیار رہنا" سعید خان نے وزیر خان سے کہا۔
"وہ میم دیر تک سوتی ہے۔"
"میں تیار رہوں گا۔"
"سنو... مچھلی پکڑنے چلتے ہو؟" اچانک سعید خان نے پوچھا۔
"یہ اچانک مچھلی کی کیا سوجھی؟"
"او یارا، سمجھ لو یہ بھی کام ہے۔ وہ میں نے میم صاب سے وعدہ کیا تھا۔"
"کام ہے تو چلو۔ کام کے لئے تو میں ہر وقت تیار ہوں۔"

○☆○

اگلی صبح وہ دونوں سائیکل پر پہنچے تو اسٹیلا جاگتی ملی۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں۔ لگتا تھا، وہ جاگتی رہی ہے۔ اور وہ بہت ناراض بھی تھی "یہ کیا حرکت کی تم نے؟" اس نے غصے سے کہا۔ "پتا ہے، میں رات بھر جاگتی رہی ہوں۔"
"سوری مسز رچرڈسن۔ دریا سے واپسی میں بہت دیر ہو گئی تھی" سعید خان نے معذرت کی "میں مچھلیاں لایا ہوں جی آپ کے لئے۔"
"اور یہ کون ہے؟" اس نے وزیر خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وزیر خان سحرزدہ سا اسے تک رہا تھا۔
"یہ میرا دوست بھی ہے جی اور چچیرا بھائی بھی ہے۔"
"اسے کیوں لائے ہو؟"
"یہ جی کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا۔ میں نے سوچا، صاب کے آنے سے پہلے کام مکمل ہو جائے تو صاب خوش ہو جائیں گے۔"
"لیکن بلا اجازت......؟"
"یہ الگ سے پیسے نہیں لے گا مسز رچرڈسن۔ میں اپنے پیسوں میں سے اسے دے دوں گا۔"
"اچھا ٹھیک ہے۔ کام شروع کرو۔ اسے کام سمجھا کر کام پر لگاؤ اور پھر کچن میں آؤ" یہ کہہ کر اسٹیلا اندر چلی گئی۔
سعید خان وزیر خان کو اندر کمرے میں لے گیا "یہ کمرا پورا کرنا ہے۔ پھر اوپر دو بیڈ روم بھی ہیں۔ یہ سمجھ لو کہ دو دن میں کام نمٹانا ہے۔ تم کام شروع کرو، میں آتا ہوں۔"
"یارا سعید خان، یہ تمہاری میم ہے بہت زوردار" وزیر خان نے کہا۔
سعید خان نے جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھا "یہ کوئی پہلی میم تو نہیں دیکھی ہے ہم نے۔"
"پہلی تو نہیں ہے۔ مگر یہ مرتی ہے تم پر۔"
"وہم ہے تمہارا۔ میری بات سنو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ کسی چکر میں نہ پڑنا۔ میں نے میموں کے چکر میں لوگوں کو جان سے جاتے دیکھا ہے۔ یہ حاکم لوگوں کا معاملہ ہے" سعید خان نے سخت لہجے میں کہا۔ "یارا، وہ تمہارے لئے رات بھر جاگتی رہی ہے۔"
"میرے لئے نہیں، مچھلی کے لئے" سعید خان نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں شرط لگا سکتا ہوں۔ اسے مچھلیوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔ اس کی مچھلی تو تم ہو" وزیر خان ایک آنکھ بند کر کے مسکرایا۔
"بکواس مت کرو۔ کام کرو۔ میں تمہیں کام کے لئے یہاں لایا ہوں۔"
سعید خان مچھلیاں لے کر کچن میں پہنچا۔ کچن میں اسٹیلا چائے بنا چکی تھی "ناشتا کرو گے؟" اس نے پوچھا۔
"نہیں مسز رچرڈسن۔ ہم ناشتا کر کے آئے ہیں۔"
"تو جاؤ۔ یہ چائے اپنے دوست کو دے کر آؤ" اس نے چائے کی پیالی سعید خان کی طرف بڑھائی۔
سعید خان وزیر خان کو چائے دے کر واپس آیا تو وہ جام ہاتھ میں لئے بیٹھی تھی "ڈارلنگ، یہ تم دم چھلا اپنے ساتھ کیوں لگا لائے؟" اس نے شکایت کی۔ سعید خان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے وضاحت کی "یہ جو غیر آدمی کو تم میرے گھر میں لے آئے ہو۔"
"اسے میں کام کے لئے......"
"وہ تو تم مجھے بتا چکے ہو۔ مگر تمہیں مجھ سے اجازت لینی چاہئے تھی ڈیئر۔"
"اور وہ غیر نہیں، میرا بہت قریبی رشتے دار ہے۔ دوست بھی ہے پھر میرا ہونے والا بہنوئی ہے۔"
"بہنوئی؟ تمہارا مطلب ہے......"
"میری بہن سے اس کی شادی طے پا چکی ہے۔"
"او، نام کیا ہے اس کا۔"
"وزیر خان ہے جی۔"
اسٹیلا چند لمحے کسی سوچ میں ڈوبی رہی پھر بولی "چائے پی کر تم بھی جاؤ۔ دوپہر کے لئے میں سینڈوچ بنا دوں گی۔ مچھلی رات کے کھانے کے لئے تلنا۔"
"بہت بہتر مسز رچرڈسن۔"

○☆○

شام پانچ بجے اسٹیلا نے سعید خان کو آواز دی۔ سعید خان آیا تو اس نے کہا "اب اس وزیر خان کی چھٹی کر دو۔"
"یعنی میں بھی چھٹی کر لوں۔"
"نہیں، تمہیں تو کھانا تیار کرنا ہے۔"
"لیکن مسز رچرڈسن۔ میں اسے اکیلا تو نہیں بھیج سکتا" سعید خان نے کہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یوں تو وزیر خان کو لانا بھی بے کار ہو جائے گا "آپ جانتی ہیں، اس سے میرا کیسا رشتہ ہے" اس نے دلیل دی "ہاں، اسے بھی روک لیں تو اور بات ہے۔"
"مگر میں اسے نہیں روکنا چاہتی۔ مجھے وہ بالکل اچھا نہیں لگا۔ تمہاری اور بات ہے۔"
"تو پھر کیا کروں؟"
اسٹیلا تھوڑی دیر سوچتی رہی۔ پھر اس نے قریب رکھے پرس میں سے سو کا نوٹ نکال کر اسے دیا "تم ایسا کرو کہ اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ سات بجے آ جانا۔ پھر ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے اور میں تمہیں اچھے لوگوں کے آداب اور طور طریقے سکھاؤں گی۔"
سعید خان الجھن میں پڑ گیا۔ وہ جو کچھ سکھانا چاہتی تھی وہ نہیں سیکھنا چاہتا تھا۔ وہ بہت جذباتی لڑکا تھا۔ آن والا اور اس ہیجان نے اس کی آن کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ مگر حالات..... سو روپے کا تھا۔ سو روپے بہت بڑی چیز تھے۔ وہ لاہور میں محنت کر کے تو سو روپے سال بھر میں اکٹھے کرنے بھی نہیں ملتی تھی۔ اس کا ان سے حساب کتاب لگانے میں مصروف تھا۔ سو روپے میں تو زمین بھی مل سکتی تھی۔ اور سو روپے ایسے بھی مل سکتے ہیں۔ یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اس نوٹ نے اسے خواب دکھانے شروع کر دیئے۔ ایسے بہت سے نوٹ جمع ہو جائیں تو وہ بہت زمینیں خرید سکتا ہے۔ بہت بڑا خان بن سکتا ہے۔ اس کے باپ کو اور بھائیوں کو دوسروں کی زمینوں پر کام کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان کے پاس بے حساب زمین ہوگی اور عزت ہی عزت۔ لوگ جھک جھک کر سلام کریں گے انہیں۔ جرگے میں ان کی بات کی ایک اہمیت ہوگی۔
"کیا سوچ رہے ہو لڑکے؟"
اسٹیلا نے اسے چونکا دیا "کچھ نہیں میم صاب۔ ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا جی۔"
لڑکے چلے گئے۔ اسٹیلا باغیچے میں آ بیٹھی۔ شام بہت خوشگوار تھی۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈ تھی۔ لیکن وہ ناخوشگوار نہیں تھی۔ برف پگھل چکی تھی اور بہار کی آمد کی علامتیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ بیٹھی اپنے بارے میں سوچتی رہی۔ کیسی تبدیلی آئی تھی اس میں۔ وہ اس کالج میں بہت اچھا وقت گزار رہی تھی جس سے اسے نفرت تھی۔ یہ تبدیلی صرف اس لڑکے کی وجہ سے آئی تھی۔ اس کی سوچوں کا رخ سعید خان کی طرف مڑ گیا۔ وہ خود کو ٹٹولنے لگی۔ وہ دیانت داری سے کہہ سکتی تھی کہ اس لڑکے سے کوئی ایسی ویسی غرض نہیں۔ بس وہ تنہائی کی ماری ہوئی تھی۔ محبت کے لمس سے کب سے محروم تھی۔ وہ فلرٹ تھا۔ ہلکا پھلکا رومانس تھا۔ شاید وہ خود کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ ابھی زندہ ہے اور بس۔
بیٹھے بیٹھے دیر ہو گئی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے چھ بج رہے تھے۔ خنکی بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر کاٹیج میں چلی گئی۔ آتش دان دہکانے میں چند منٹ لگے۔ اب وہ بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے یہ سوچ کر اپنے لئے پہلا جام بنایا کہ جام ختم ہوتے ہوتے وہ آ جائے گا۔
سات بجے کے بعد اس پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی۔ وہ کیوں نہیں آیا اب تک؟ کیا وہ نہیں آ رہا ہے؟ کہہ تو لو لڑکے

جھنجلاہٹ بڑھتی گئی۔ آٹھ بجے تک اسے گنتی بھی یاد نہیں رہی تھی کہ وہ کتنے جام پی چکی ہے۔ اور وہ نہیں آیا تھا۔

○☆○

سعید خان عجیب کشمکش میں تھا۔ وہ سات بجے میم صاب کی طرف جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اسے یہ احساس بھی تھا کہ یہ بہت بڑی بات بن سکتی ہے۔ وہ سوچتا رہا اور الجھتا رہا مگر اس کشمکش میں نہ جانے کے خیال کا پلہ بھاری تھا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ نہیں جائے گا۔

مگر سات بجے تو اس کا دل اندیشوں کے ہیولے تراشنے لگا۔ اس نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر دیکھا۔ اس نوٹ کو اس کے پاس ہونے کا کوئی حق نہیں۔ میم صاب نہ دیتی تو شاید عمر بھر ایسا کوئی نوٹ اس کے پاس نہ آتا۔ بلکہ شاید اتنے روپے بھی عمر بھر اکٹھے نہ ہوتے۔ اگر اسے نہیں جانا تھا تو پھر اسے یہ نوٹ بھی نہیں لینا چاہئے تھا۔ اسے زبان بھی نہیں دینی چاہئے تھی۔ اب زبان دے دی ہے تو پوری بھی کرنی چاہئے۔

'حاکم اور محکوم کے درمیان زبان دینے کا ایسا رشتہ نہیں ہوتا۔' اس کے اندر کے سرکش لڑکے نے دلیل دی۔

'یہ حاکم اور محکوم کی بات ہی نہیں ہے۔' ضمیر نے کہا۔ 'حاکم کی حیثیت سے تو وہ تم سے بیگار بھی لے سکتی تھی یا حاکم محکوم کو معاوضہ تو نہیں ادا کرتے۔'

'پھر بھی...' اس نے کٹ حجتی کی کوشش کی۔ لیکن ضمیر کی اس دلیل کا اس کے پاس کوئی توڑ نہیں تھا۔

پھر لاہور میں گزرے ہوئے وقت کے حوالے سے اس کا تصور حرکت میں آگیا۔ وہاں اس نے بہت میموں کو دیکھا تھا۔ لوگ باتیں بھی کرتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ میموں کی مرضی کے خلاف کچھ کرو یا انہیں سرکشی دکھاؤ تو وہ نہایت آسانی سے چوری کا الزام لگا دیتی ہیں بلکہ الزام کی نوعیت اور سنگین بھی ہو سکتی ہے پھر آدمی بھاگتا رہتا ہے لیکن کہاں تک۔ آخر پکڑا جاتا ہے۔

چوری کا الزام! تو کیا مسز رچرڈسن اس پر چوری کا الزام لگا سکتی ہے؟

'کیوں نہیں!' ذہن نے جواب دیا۔ 'اور یہ سو روپے کا نوٹ اس پر آسانی سے جرم ثابت کرا دے گا۔ یہ نوٹ وہ کہیں چھپا بھی نہیں سکتا۔ کسی کو دے بھی نہیں سکتا۔ نوٹ کہیں چھپا بھی دے تو مار پیٹ کے بعد اس کے بارے میں ضرور زبان کھولے گا۔ اور وہ یہ کہے گا کہ یہ نوٹ اسے خود میم صاب نے دیا تھا تو کون مانے گا۔ اس لئے کہ میم صاب نے تو خود اس کے خلاف رپورٹ کی ہوگی۔'

اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔ اسے جانا ہی ہوگا۔ یہ فیصلہ کر کے وہ پُرسکون ہو گیا۔

پونے آٹھ بجے وہ گھر سے نکل آیا۔

آٹھ بج کر دس منٹ پر وہ کاٹیج پہنچا۔ اس وقت تک اچھی خاصی رات ہو چکی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ مسز رچرڈسن دروازہ بند کر کے سو چکی ہوگی لیکن اس نے دروازہ دھکیلا تو وہ کھل گیا۔ وہ اندر چلا گیا۔

میم صاب سٹنگ روم میں قالین پر آتش دان کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں جام تھا۔ سامنے رکھی بوتل تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ وہ شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے تھی جس کے نیچے کچھ بھی نہیں تھا۔ سعید خان کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔ اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ میم بلاشبہ بہت حسین ہے۔

اسٹیلا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولی "تم... تم بیٹے ہو؟" وہ اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا رہی تھی۔

"نہیں میم صاب۔ میں سعید خان ہوں۔"

"وہ تو میم صاب کہنے سے ہی پتا چل گیا" وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی "بیوی نہیں ہو تو پھر بیوی جیسی حرکتیں مت کیا کرو۔"

"میں سمجھا نہیں مسز رچرڈسن" سعید خان کو میم صاب والی بات طعنے کی طرح لگی تھی۔

"یہ کون سا طریقہ ہے کہ جب چاہا منہ اٹھایا اور چلے آئے۔"

"وہ مسز رچرڈسن دیر ہو گئی......"

"کیوں اتنی دیر کی تم نے؟" اسٹیلا کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

سعید خان تمام راستے عذر ہی تو تراشتا رہا تھا "وہ جی میم صاب' وزیر خان سے پیچھا ہی نہیں چھوٹ رہا تھا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ ایک بار گھر بھی چلا گیا مگر تھوڑی دیر بعد باہر نکلا تو وہ گھر کے باہر ہی کھڑا ملا۔ آپ کا حکم ہوتا تو میں اسے بھی لے آتا لیکن آپ نے منع کیا تھا۔ بس اسی چکر میں دیر ہو گئی۔"

اسٹیلا نے جام خالی کیا اور پھر بوتل جام میں خالی کر دی۔

"تمہیں احساس نہیں تھا کہ میں اکیلی ہوں اور تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"سوری مسز رچرڈسن۔ میں ابھی کھانا تیار کرتا ہوں۔"

"اب بھوک کسے ہے۔ رہنے دو" اسٹیلا نے بیزاری سے کہا۔

"اچھا۔ صرف مچھلی تل لیتا ہوں۔ بس پندرہ منٹ لگیں گے۔"

"نہیں تم میرے پاس بیٹھو" اسٹیلا نے کہا اور اس کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔ سعید خان کے لئے وہ بڑی آزمائش تھی۔ اسے پہلے کبھی نسوانی قربت ملی بھی نہیں تھی۔ وہ اس کے لئے پہلا موقع تھا۔ اس کے رگ و پے میں سنسنی دوڑ رہی تھی۔ یہ بھی سچ تھا کہ اسٹیلا بہت خوب صورت لگ رہی تھی اور اس کی نیم برہنگی بہت بڑی آزمائش تھی۔ لیکن مردانگی کا توڑ بھی مردانگی ہی ہوتی ہے۔ سعید خان یہ نہیں بھول سکتا تھا کہ میم اس کی مردانگی کو للکارتی رہی ہے۔ اس نے اس کا مذاق بھی اڑایا ہے۔ وہ اسے اچھے لوگوں کے طور طریقے اور آداب سکھانا چاہتی ہے۔ اچھے لوگ اور طور طریقے اور آداب' ہونہہ! اس احساس نے اس کے اندر مزاحمت پیدا کر دی۔ پھر اس کے بعد ترغیب ترغیب نہیں رہی اور آزمائش آسان ہو گئی۔

اسٹیلا تھوڑی دیر لیٹی رہی۔ مگر وہ نشے میں دھت تھی۔ ذرا دیر بعد اس کے خراٹے سنائی دیئے۔ وہ بہت بدصورت آواز تھی۔ سعید خان پھر بھی تھوڑی دیر یونہی بیٹھا رہا۔ اس کے بعد وہ آہستگی سے اٹھ کر کچن میں چلا گیا۔ مچھلیاں تلنے کے بعد وہ آیا۔ تب بھی اسٹیلا ویسے ہی بے سدھ سو رہی تھی۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔

وہ گھر جانے کے لئے نکل ہی رہا تھا کہ اسے خیال آیا کہ اسٹیلا ممکن ہے' رات بھر یونہی پڑی رہے۔ آتش دان تو یقینی طور پر دو گھنٹے میں سرد ہو جائے گا۔ رات کو ابھی خاصی سردی ہو جاتی ہے۔ کہیں طبیعت خراب نہ ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس نے اسٹیلا کو اٹھا لیا۔ وہ اس کی توقع سے بڑھ کر بھاری تھی۔ مگر وہ بوجھ اٹھانا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ پھر بھی اسے اٹھا کر اوپری منزل کے بیڈ روم تک لے جانے میں اسے پسینہ آگیا۔ اس نے اسٹیلا کو بیڈ پر لٹا کر اسے کمبل اڑھایا اور بڑی نفاست سے تینوں طرف کمبل کے کونے اندر اڑس دیئے۔

پھر وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل آیا۔

○☆○

وزیر خان بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کاٹیج' میم صاب اور سعید خان اس کے ذہن پر سوار تھے۔ ایک دن میں ہی اس نے بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ وہ ذہین بھی تھا۔ اس کا مشاہدہ بھی بہت اچھا تھا اور اس کی فطرت میں تجسس بھی بہت تھا۔ وہ جوان تھا اور اپنی جوانی میں بھی سعید خان سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی جوانی منہ زور گھوڑی کی طرح تھی اور اس نے بھی اسے بے لگام چھوڑا ہوا تھا۔ اس میں بے حد تندی تھی۔ وہ کہیں سے گزرتا اور اسے کوئی پھول نظر آ جاتا تو وہ اسے توڑے بغیر نہ رہتا لیکن نسوانی قربت اسے اب تک میسر نہیں آئی تھی۔ لاہور میں ایسا ہو جاتا لیکن سعید خان آڑے آگیا تھا۔ وہاں ان کے ساتھ کام کرنے والے کاریگر اکثر بازار چلے جاتے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو بھی دعوت دی تھی۔ لیکن سعید خان نے پوری بات سننے سے پہلے ہی سختی سے انکار کر دیا تھا۔ اب وزیر خان کیا کرتا۔ اس کا اور سعید خان کا ہر وقت کا ساتھ تھا۔ پھر ایک نازک رشتہ بھی تھا۔ سعید خان کی بہن ریشم اس کی منگ تھی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اکیلا بازار چلا جاتا۔ ہاں' سعید خان نے ہامی بھری ہوتی تو اور بات تھی۔ مستقبل کے سالا بہنوئی ایک ساتھ عیاشی کر سکتے تھے مگر شرط یہی تھی کہ سعید خان پہل کرے۔ وزیر خان کڑھنے' جھنجلانے اور سعید خان پر غصہ کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

سعید خان نے سائیکل خریدی تھی تو اسے حیرت ہوئی تھی لیکن اس نے سوچا تھا کہ شاید وہ لاہور کے کمائے ہوئے پیسے اڑا رہا ہے پھر تین چار دن سے وہ غائب بھی رہنے لگا تھا۔ یہ راز خود سعید خان نے اس پر کھول دیا۔ بلکہ اسے شریک بھی کر لیا۔ وہ بہت اچھا دوست تھا۔

وزیر خان ایک جھلک دیکھ کر ہی میم صاب پر مرمٹا تھا۔ یہ اس نے پہلی میم نہیں دیکھی تھی۔ مگر اس سے پہلے اس نے جتنی میمیں دیکھی تھیں' وہ بہت خرانٹ لگتی تھیں اور اسی وجہ سے حسین ہونے کے باوجود حسین نہیں لگتی تھیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ فاتح ہیں اور مفتوح کبھی نہیں ہو سکتیں۔ وہ قربت سے نوازیں گی بھی تو حاکم ضرور رہیں گی۔ لاہور میں مالی' خانساماں اور ڈرائیور لوگوں نے اسے ان میموں کی قربت کی بہت کہانیاں سنائی تھیں جن کے گھروں میں وہ کام کرتے تھے۔ وزیر خان کو اچھا نہیں لگتا تھا۔ اب ایسا بھی کیا کہ مرد مرد نہ رہے' عورت بن جائے اور عورت مرد۔

لیکن اسٹیلا رچرڈسن مختلف تھی۔ لہجے میں سختی ہونے کے باوجود اس کے نقوش میں نرمی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی اداسی اور سوگواری تھی۔ اس کا وجود دعوت دیتا محسوس ہوتا تھا کہ آؤ اور مجھے فتح کر لو۔ میں فتح کرنا نہیں... فتح ہونا چاہتی ہوں۔ وہ ہر لحاظ سے عورت لگتی تھی۔ عورت جو کمزور اور نازک ہوتی ہے۔

تو اس چیز نے ابتدا میں ہی وزیر خان کو بھڑکا دیا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس انگریز میم کو ضرور فتح کرے گا۔ کیسے؟ یہ وہ ابھی نہیں جانتا تھا۔

اسے احساس تھا کہ میم کو اس کا آنا اچھا نہیں لگا ہے۔ جیسے اس نے آ کر کسی اہم کام میں مداخلت کی ہو۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ میم سعید خان پر ملتفت ہے لیکن سعید خان اس سے گھبراتا ہے۔ اسے لگا کہ شاید سعید خان اسے اسی لئے لے کر آیا ہے۔

پھر سعید خان نے کہا تھا کہ کام سات آٹھ بجے تک کرنا ہوگا لیکن پہلے ہی دن پانچ بجے چھٹی ہو گئی تھی۔ وزیر خان نے کہا بھی تھا کہ تھوڑا سا کام رہتا ہے۔ اسے مکمل کر لیں مگر سعید خان نے کہا تھا' چھوڑو کل کر لیں گے۔

پھر واپس آتے ہوئے ایک اور اہم بات ہوئی تھی۔ سعید خان سائیکل چلا رہا تھا اور وہ پیچھے بیٹھا تھا۔ ایک چڑھائی پر سائیکل کا توازن بگڑنے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ اتر کر سائیکل کو سنبھالتا اور دھکا لگاتا' سائیکل گر گئی۔ سعید خان بھی گرا اور ساتھ ہی اس کی جیب سے سو روپے کا وہ نوٹ بھی۔ سعید خان کو احساس ہوا تو اس نے جلدی سے نوٹ جیب میں رکھ لیا۔

"یہ کیا ہے؟" وزیر خان نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" سعید خان نے گڑبڑا کر کہا۔ ذرا دیر خاموشی رہی جیسے سعید خان کوئی جھوٹ گھڑنے کی کوشش کر رہا ہو "میم صاب نے کچھ سامان لانے کو کہا ہے۔"

وزیر خان بے وقوف نہیں تھا۔ جس تیزی سے سعید خان نے

نوٹ اس کی نظر سے بچا کر دوبارہ جیب میں رکھنے کی کوشش کی تھی اس سے بہت کچھ سمجھ میں آ جاتا تھا۔ مگر اس کے جواب نے تو سب کچھ واضح کر دیا تھا۔

"تو سو کے نوٹ یوں بھی مل سکتے ہیں" شاید وزیر خان نے سوچا۔ میم نے اسے یہ نوٹ دیا تو کہنے لگی... سعید خان بتا چکا تھا کہ مزدوری اسی وقت ملے گی جب صاب آئے گا۔ اس نے کچھ اندازے لگائے تھے جن کی تصدیق کرنی تھی۔ اس کے لئے وہ اندھیرا ہونے کے بعد گاؤں کے باہر چھپ کر بیٹھ گیا۔

رات گہری ہونے لگی تو اسے مایوسی ہوئی۔ شاید اس کا اندازہ غلط تھا۔ مگر اسی وقت اسے سعید خان سائیکل پر آتا دکھائی دیا۔ سعید خان ذرا آگے نکل گیا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ سائیکل کے کیریئر پر کوئی سامان موجود نہیں ہے۔ اب بس اسے ایک بات کی تصدیق کرنا تھی۔

پھر اس نے دیکھ لیا کہ سعید خان کا رخ مانسہرہ جانے والی سڑک کی طرف نہیں بلکہ وہ صاب کے کاٹیج کی طرف جا رہا ہے۔ اس نے وہیں تعاقب موقوف کر دیا۔ پہلے اس کے جی میں آئی تھی کہ وہ بھی کاٹیج پہنچے۔ لیکن پھر اس نے سوچا کہ بے کار کی مشقت کا کیا فائدہ۔ سب کچھ معلوم ہو گیا ہے تو کھوج کا فائدہ۔ مگر اس کے لئے سونا دوبھر ہو گیا۔ یہ تو بہت اچھا راستہ نظر آیا تھا۔ سو کے نوٹ..... وہ کچھ کا کچھ بن سکتا تھا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ میم محبت کی بھوکی ہے اور محبت کو ایسی چیز سمجھتی ہے جسے خریدا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے تو وہ دوہرے منافع والا سودا تھا۔ میم ویسے ہی اسے پسند آئی تھی۔

صبح ہوتے اسے تھوڑی دیر کے لئے نیند آئی مگر پھر وہ خود ہی اٹھ گیا۔ اس روز اس نے خاص طور پر تیاری کی۔ اپنے سب سے اچھے کپڑے پہنے یعنی بن ٹھن کر گھر سے نکلا۔ تھوڑی دیر بعد سعید خان بھی آ گیا۔ دونوں سائیکل پر بیٹھ کر چل دیے۔

○☆○

اسٹیلا رچرڈسن کی آنکھ دس بجے کھلی۔ منہ کا ذائقہ کسیلا ہو رہا تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اپنے بستر میں کمبل میں لپٹی ہوئی ہے۔ رات کی آخری بات جو اسے یاد تھی وہ یہ تھی کہ وہ سٹنگ روم میں آتش دان کے سامنے سعید خان کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔ اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

تو پھر وہ بیڈ روم میں کیسے آ گئی؟ کیا وہ سوتے میں چلنے لگی ہے؟ اس کا خمار ٹوٹ رہا تھا اور ذہن صاف نہیں تھا۔ پھر بھی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ سعید خان اسے اٹھا کر بیڈ روم تک لایا تھا۔ اس نے ہی اسے لٹایا تھا اور کمبل اوڑھایا تھا۔ یہ خیال آتے ہی اسے صبح روشن روشن لگنے لگی لیکن اسے اچنبھا ہو رہا تھا۔ وہ اتنی ہلکی تو نہیں۔ اسے لاد کر اوپر لانا! لڑکا واقعی بہت جان دار ہے۔ اس کے وجود میں عجیب سی خوشی بھر گئی۔

باتھ روم سے باہر آ کر اس نے کپڑے بدلے۔ پھر نیچے آ کر کچن کا رخ کیا۔ اس وقت اسے بلیک کافی کی اشد ضرورت تھی۔ آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ لڑکے آ چکے ہیں اور انہوں نے کام شروع کر دیا ہے۔ اس خیال نے اسے بدمزہ کر دیا کہ سعید خان کے ساتھ دوسرا لڑکا بھی ہو گا۔ کافی پیتے ہوئے وہ رات کے بارے میں سوچتی رہی۔ بات کس حد تک آگے بڑھی تھی؟ وہ ذہن پر زور دیتی رہی لیکن اسے کچھ یاد نہیں آیا۔ اسے مایوسی ہوئی۔ اگلے ہی لمحے اس مایوسی سے اسے شاک لگا۔ ہلکی پھلکی تفریح میں ناکامی پر ایسی مایوسی تو نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک ہلکی پھلکی تفریح تھی۔ بوریت اور اکتاہٹ سے فرار کا ایک ذریعہ تھا، جس کی وجہ سے زندگی زندگی لگنے لگی تھی۔ اس میں سیریس ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے خود کو سمجھایا۔ اور سعید خان محض ایک نادان لڑکا ہے۔ نادان، اُجڈ اور شرمیلا۔

سب کچھ اپنی جگہ۔ لیکن مایوسی کا احساس بدستور تھا۔ وہ اپنی بے ہوشی کو کوستی رہی۔ آدمی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب اعتدال سے کام لے گی۔ وہ دوسری پیالی ختم کر رہی تھی کہ سعید خان آ گیا "وہ میم صاب......"

اس نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ چپ ہو گیا "اب تمہاری سزا یہ ہے کہ مجھے اسٹیلا کہو گے۔ یہ میرا نام ہے۔"

"جی میم... اسٹیلا، نیچے کا کام مکمل ہو گیا ہے" لڑکے نے شرمیلے لہجے میں کہا "اب اوپر کے بیڈ روم رہ گئے ہیں۔ میں صاب کے آنے تک کام مکمل کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

"وہ جی سامان باہر نکالنا ہو گا۔"

"ناشتا کیا ہے تم نے؟" لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بولی۔ "میں ابھی چائے بناتی ہوں تمہارے لئے۔ وہ دوسرا لڑکا بھی تمہارے ساتھ ہے؟"

"جی ہاں ہے... اسٹیلا۔"

اچانک اسٹیلا کو ایک خیال سوجھ گیا "یہ تم نے رات کیا حرکت کی میرے ساتھ" اس نے بے حد درشت لہجے میں کہا۔

"میں نے؟" سعید خان ہکا بکا رہ گیا "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا میم صاب۔ خدا کی قسم۔"

اسٹیلا کو اس پر ترس آنے لگا "تم مجھے اٹھا کر اوپر لائے جیسے میں کوئی بچی ہوں۔"

"وہ جی... آتش دان سرد ہو جاتا۔ آپ کو ٹھنڈ لگ جاتی تو... بس جی میں نے آپ کو اوپر لے جا کر لٹا دیا تھا۔ میں نے کچھ......"

"اچھا تم جا کر دوسرے بیڈ روم سے سامان نکالو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ پھر اپنا بیڈ روم خالی کرا دوں گی۔ جاؤ اور ہاں، میرے بیڈ روم میں رنگ صرف تم کرو گے۔"

"بہت بہتر... اسٹیلا۔"

اسٹیلا چائے لے کر اوپر گئی تو وہ اسپیئر بیڈ روم کو خالی کر چکے تھے۔ اس روز اسٹیلا نے دوسرے لڑکے کو پہلی بار غور سے دیکھا۔

وہ بھی بہت پیارا تھا۔ بلکہ اس کے نقوش سعید خان سے زیادہ اچھے تھے۔ البتہ آنکھیں سعید خان کی زیادہ خوب صورت تھیں۔ دوسرے لڑکے کی آنکھیں براؤن تھیں۔ شہد جیسی۔ وہ چھوٹی اور چمکیلی آنکھیں تھیں۔ اسٹیلا کا اندازہ تھا کہ وہ چالاک بہت ہو گا۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکے؟"

"جی وزیر خان" لڑکے نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"اچھا تم دونوں چائے پی لو۔ اتنی دیر میں میں اپنا کمرا سمیٹتی ہوں۔ پھر سامان نکال دینا۔"

اپنے کمرے میں جاتے ہوئے اسٹیلا کو اپنے وجود میں نظروں کی چبھن کا احساس رہا۔ پلٹ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سعید خان نے اسے کبھی اس طرح نہیں دیکھا تھا۔ یہ وہ دوسرا لڑکا وزیر خان تھا اور وہ کسی لڑکے کی نہیں، ایک مرد کی نظریں تھیں۔ اسٹیلا کو بہت اچھا لگا۔ مدت سے کسی نے اسے اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔

○☆○

اس روز انہوں نے دیر تک کام کیا۔ دونوں کمرے مکمل ہو گئے۔ جانے سے پہلے انہوں نے فرش دھویا اور سامان دوبارہ کمروں میں رکھا۔ اسٹیلا نے اپنے کمرے کی سیٹنگ تبدیل کر دی۔ اس کام سے نمٹتے نمٹتے ساڑھے سات بج گئے "اب کھانا کھا کر ہی جانا" اسٹیلا نے کہا۔ اس نے محسوس کیا کہ وزیر خان کھل اٹھا ہے جبکہ سعید خان ہچکچا رہا تھا۔

"میں مچھلی تل لیتا ہوں۔ رات مسالا لگا کر رکھ دی تھی" سعید خان نے کہا۔

"ہاں، ٹھیک ہے" اسٹیلا بولی۔ رات کی مچھلی اسے کچن میں رکھی ملی تھی۔ دوپہر تک اس میں سے بساندھ آنے لگی تھی۔ اس نے پھینک دی تھی۔

"آج میں سرکا بھی لایا ہوں سے...." سعید خان کہتے کہتے رک گیا۔ اسٹیلا کے گھورنے پر اسے یاد آ گیا "اسٹیلا میم صاب۔"

اس پر وزیر خان نے اپنے دوست کو اور پھر اسٹیلا کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ پھر اس نے پوچھا "میں آپ کو کیا کہا کروں؟"

اسٹیلا کو ہنسی آ گئی۔ لڑکے کے لہجے میں رشک، رقابت اور جانے کیا کیا تھا "تم ابھی نئے نئے ہو۔ تم میم صاحب ہی کہا کرو۔ تمہارے منہ سے اچھا بھی لگتا ہے۔"

"جی بہتر میم صاب" وزیر خان نے مایوسی سے کہا۔ اسٹیلا پھر ہنسنے لگی "ویسے میم صاب، وفاداری اور تابعداری میں اس سے کم نہیں ہوں میں۔ آزما لیجئے گا۔"

"وفاداری تو ٹھیک ہے لیکن یہ سعید خان تابع دار نہیں ہے؟" اسٹیلا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تب تو میں اس سے اچھا ہوا میم صاب" وزیر خان نے جوش سے کہا "آپ مجھ سے کچھ کہہ کر دیکھیں۔ میں کبھی انکار نہیں کروں گا۔"

سعید خان نے اسٹیلا کو شکایتی نظروں سے دیکھا "میں تو آپ کی ہر بات مانتا ہوں اسٹیلا۔"

اسٹیلا وزیر خان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ سعید خان اس کا نام لیتا تھا تو وزیر خان کی رنگت متغیر ہو جاتی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی کہ لڑکوں کے درمیان اس کے سلسلے میں مسابقت بلکہ رقابت پیدا ہو رہی ہے۔ دونوں اسے خوش کرنے کے سلسلے میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اسٹیلا کو لطف آ رہا تھا "میں بھی آپ کو مچھلی تل کر کھلاؤں میم صاب۔ ایمان سے بہت اچھی مچھلی تلتا ہوں میں" وزیر خان نے اسٹیلا سے پوچھا۔

اسٹیلا کے جواب دینے سے پہلے سعید خان بول اٹھا "اب تلی ہو تو سارا کام خود کر۔ یہ سالا تو یہیں لا کر رکھتا ہے، تلی میں ہی کروں گا۔"

اس روز اسٹیلا کو کھانے میں بہت لطف آیا۔ وہ ان کی نوک جھونک پر مسکراتی رہی۔ کھانے کے بعد وہ رخصت ہونے لگے تو سعید خان نے کہا "کل جمعہ ہے اسٹیلا میم صاب۔ کل صاب بھی آ جائیں گے نا؟"

"ہاں۔ آندھی آئے یا طوفان۔ جمعے کے دن دنیا کی کوئی طاقت جمی کو یہاں آنے سے نہیں روک سکتی" اسٹیلا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کل ہم جلدی آ جائیں گے۔ صرف باہر کا کام رہ گیا ہے۔ وہ پورا کر دیں گے۔ پھر کل باغیچے میں کیاریاں بھی بنا دیں گے۔"

"آپ دیکھئے گا میں پھولوں کے بہت پیارے پودے لگاؤں گا" وزیر خان نے کہا۔

"آپ برا نہ مانئے گا اسٹیلا میم صاب۔ یہ وزیر خان بہت شیخی خورا ہے۔"

اس رات اسٹیلا بستر پر لیٹی تو بہت خوش تھی۔ برسوں کے بعد اسے ایسی کچی خوشی ملی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی عمر دس پندرہ سال کم ہو گئی ہے۔ وہ جیسے ایک نوخیز حسینہ تھی جس کے لئے دو جوان ڈوئل لڑنے کو تیار تھے۔ ایک حسین عورت کی سب سے بڑی خوشی یہی تو ہوتی ہے۔ اس رات سونے سے پہلے اس نے صرف ایک جام پیا تھا۔ یہ بھی بہت بڑی کامیابی تھی۔

ادھر گھر جاتے ہوئے وزیر خان کو احساس ہو رہا تھا کہ سعید خان اس سے خفا ہے۔ وہ بات بھی نہیں کر رہا تھا "سعید خان، خفا ہے یارا؟"

"ہاں وزیر خان۔ میرا دل بڑا خفا ہے تم سے۔"

"پر بات کیا ہے یارا؟"

"بات تم جانتے ہو وزیر خان" سعید خان نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہاں جانتا ہوں" وزیر خان نے گہری سانس لے کر کہا "لیکن یارا، یہ تو تمہارا بچپنا ہے۔"

مہنگا ہے" سعید خان پھر گیا "تم کتنی گھٹیا باتیں کر رہے تھے۔"

"او یارا" تم بڑے نادان ہو۔ اور میں تو اسے خوش کرنے کی کوشش کر رہا تھا سعید خاناں۔ تم نے دیکھا نہیں' وہ ہمارے لڑنے پر کتنا خوش ہو رہی تھی۔ یار او دیکھو' یہ تو لاہور کی مزدوری سے بھی اچھا کام ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہ صاب اور میم صاب ہماری قسمت بنا دیں گے۔ یہ سولی اسامی ہے یارا۔"

سعید خان کو میم صاب کی خوشی یاد آئی تو وہ دل میں وزیر خان کی تائید کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کی دوسری بات بھی ٹھیک تھی "وہ تو ٹھیک ہے وزیر خان۔ لیکن کبھی میم کو خوش کرنے میں لڑتے لڑتے اتا آگے نہ بڑھ جانا کہ خون خرابے کی نوبت آجائے۔"

"تم تو پاگل ہو یارا۔"

"میں پاگل نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں' تم بہت اتھلے آدمی ہو۔"

"اچھا۔ اب بات ختم کرو یارا۔ میں اتھلا ہوں۔ مجھے دیکھو' میں نے تم سے سو کے نوٹ کے بارے میں پوچھا بھی نہیں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں۔"

سعید خان سناٹے میں آگیا۔ وزیر خان نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

○☆○

جمعے کے دن دوپہر تک دونوں لڑکوں نے رنگ روغن کا کام نمٹا لیا۔ پھر وہ کیاریاں بنانے میں لگ گئے۔ وہ جس سلیقے سے کام کر رہے تھے اسے دیکھ کر اسٹیلا بہت متاثر ہوئی۔ انہوں نے دو طرف دو دو کھپچیاں مٹی میں گاڑ کر ادھر سے ادھر تک ستلی باندھ کر ستلیوں کے درمیان کی زمین نرم کی۔ بیج ڈالے پھر کھاد ڈالی اور پانی دیا۔ کیاریوں میں کسی بھی جگہ ایک سینٹی میٹر تک کا فرق نہیں تھا۔ وزیر خان موسمی پھولوں کے چھوٹے پودے بھی لایا تھا۔ وہ ابھی نہیں لگائے گئے تھے۔

اسٹیلا کھڑی انہیں کام کرتے دیکھ رہی تھی۔ کبھی وہ پلٹ کر کاٹیج کو دیکھتی۔ یہ حقیقت تھی کہ کاٹیج کی شکل نکل آئی تھی۔ اب کاٹیج کو دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی۔ یہ سب لڑکوں کی محنت کا نتیجہ تھا۔ اسٹیلا کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں باغیچے کی شکل بھی بدل دیں گے۔

اچانک سعید خان نے سر اٹھا کر اسٹیلا کو دیکھا "ٹائم کیا ہوا ہے اسٹیلا میم صاب؟"

"ڈیڑھ بجنے والا ہے۔"

"اب ہم نماز کے لئے جائیں گے اسٹیلا میم صاب۔ میں واپسی میں گوبر کی کھاد بھی لاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے سعید خان۔"

سعید خان نے ہاتھ جھاڑے اور سیدھا کھڑا ہو گیا "چلو یارا' ہاتھ دھولو۔ پھر چلیں" اس نے وزیر خان سے کہا۔

"میں نہیں جا سکوں گا آج" وزیر خان نے معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا "میرے کپڑے پاک نہیں ہیں۔"

"تو گھر جا کر بدل لو۔"

"نہانے اور کپڑے بدلنے میں جماعت نکل جائے گی۔ افسوس' وقت پر خیال آیا۔ میرا جمعہ نکل گیا۔"

سعید خان کے چہرے پر ناگواری ابھری لیکن وہ بغیر کچھ کہے چلا گیا۔ وزیر خان سر جھکا کر دوبارہ کام میں لگ گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اسٹیلا جا چکی تھی۔ اس کے دل کو ٹھیس لگی۔ اس نے تو اس کی خاطر نماز چھوڑ دی تھی اور وہ......

اب اس کا دل کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تو وہ بادل ناخواستہ کام کرتا رہا۔ پھر اس نے کھرپی وہیں ڈالی اور کاٹیج کی طرف چل دیا۔ اسٹیلا سٹنگ روم میں تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھی کوئی میگزین پڑھ رہی تھی۔ اس کا اسکرٹ اوپر سرک گیا تھا۔ وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وزیر خان ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا۔

اسٹیلا کو گھورے جانے کا احساس ہوا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس نے اس قدر اچانک سر اٹھایا تھا کہ وزیر خان کو نظریں ہٹانے کی مہلت نہیں ملی۔ وہ بری طرح گڑبڑا گیا۔

"کیا بات ہے؟" اسٹیلا نے درشت لہجے میں کہا "تمہیں نہیں معلوم کہ دروازے پر دستک دے کر اندر آتے ہیں۔"

"میم صاب' میں اندر تو نہیں آیا۔ دروازے میں کھڑا ہوں۔" اس نے بے حد معصومیت سے جواب دیا۔

اسٹیلا کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ ویسے اسے یہ حرکت بہت بری لگی تھی "یہ تم مجھے گھور کیوں رہے ہو؟" اس بار اس کا لہجہ نسبتاً نرم تھا۔

"میم صاب جی' آپ پر نظر پڑ جائے تو ہٹائی ہی نہیں جاتی۔"

اسٹیلا مسکرا دی "کیوں؟"

"میں نے آپ جیسا کوئی خوب صورت آج تک نہیں دیکھا۔"

"تم نے زیادہ عورتوں کو دیکھا ہی نہیں ہوگا۔ اسی لئے ایسا لگتا ہے تمہیں" اسٹیلا نے نخرے سے کہا۔

"یہ بات نہیں میم صاب جی" وزیر خان نے گہرا سانس لے کر کہا "ہمارے علاقے میں بھی خوب صورتی کم نہیں ہے جی۔ پھر میں نے لاہور میں چار سال گزارے ہیں۔ میں نے بڑی میموں کو دیکھا ہے جی۔ پر آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

"میری کیا چیز اچھی لگی ہے تمہیں؟"

"آپ پوری... سر سے پاؤں تک" وزیر خان نے دونوں ہاتھوں سے سر سے پاؤں تک کا احاطہ کرتے ہوئے کہا لیکن دو مقام ایسے تھے جہاں اس نے دانستہ اپنے ہاتھوں کو ایک ثانیے کے لئے ساکت کر دیا تھا "... خوب صورت ہیں" اس نے جملہ مکمل کیا۔

اسٹیلا کو اپنے سارے جسم کا خون چہرے کی طرف لپکتا محسوس ہوا۔ یہ بات خود اس کے لئے بھی حیرت انگیز تھی۔ وہ ایسے معاشرے کی پروردہ تھی جہاں حسن کی تعریف بہت بے باکی سے کی جاتی ہے لیکن اس تعریف میں حجاب میں لپٹی ہوئی ایسی بے حجابی تھی جس نے اسے عورت ہونے کا بہت شدت سے احساس دلایا تھا۔ وہ بے ساختہ جسم چرانے لگی تھی۔ اس نے اپنے اسکرٹ کو جھجکی سے برابر کیا اور خشک لہجے میں بولی "تم نے بتایا نہیں' تم کیوں آئے ہو۔"

"بھوک لگ رہی ہے میم صاب جی۔"

"اچھا...... میں کچھ کرتی ہوں تمہارے لئے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا میم صاب جی۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں خود ایک چیز بناؤں گا۔ آپ بھی کھائیں گی؟"

"کیا بناؤ گے تم؟"

"کھا کر دیکھیے گا۔ آپ کا دل خوش ہو جائے گا۔"

"اچھا' ٹھیک ہے۔"

وہ کچن میں چلا گیا۔ اسٹیلا بیٹھی اسی کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ جتنا سعید خان میں بھول پن تھا' اتنا ہی وزیر خان چالاک تھا۔ چالاک ہی نہیں' اس کی خود اعتمادی بھی غیر معمولی تھی۔ اس ملک میں ایسے کتنے مقامی لوگ ہوں گے' جو اس کی طرح کسی انگریز عورت کے حسن کی تعریف اتنی بے باکی سے کر سکیں۔ اسٹیلا کو تو اب تک ایسا کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ اسٹیلا کو اس کی نظریں' اس کی تعریف تو اچھی لگی تھی لیکن سعید خان کے مقابلے میں وہ اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی' یہ نظریں سعید خان کی ہوتیں' یہ تعریف سعید خان نے کی ہوتی تو کتنا اچھا لگتا۔

ادھر کچن میں وزیر خان نے چھ انڈے توڑے اور زردی کو اچھی طرح پھینٹا۔ پھر اس میں شہد ملایا۔ اس کے بعد اس نے فرائنگ پین میں مکھن ڈالا۔ ڈبل روٹی کے سلائس زردی اور شہد میں بھگو کر اس نے انہیں مکھن میں تل لیا۔ اسے اندازہ تھا کہ میم صاب کافی زیادہ پسند کرتی ہیں۔ اس نے کافی بنائی۔ پھر کھانے کی چیزیں اس نے بڑے سلیقے سے میز پر رکھ دیں۔ پھر وہ میم صاب کو بلانے چلا گیا "میں تو نہیں کھاؤں گی۔ تم کھالو۔" اسٹیلا نے کہا۔

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔"

وہ بچوں کی طرح ایکسائٹ ہو رہا تھا۔ اسٹیلا کو مزید انکار کی ہمت نہیں ہوئی "اچھا ٹھیک ہے۔"

ٹیبل پر بیٹھنے کے بعد اسٹیلا نے بڑی بدمزگی سے دیکھا۔ مگر دل رکھنے کی خاطر ایک ٹوسٹ اٹھا لیا۔ ٹوسٹ کا ایک ٹکڑا دانتوں سے کاٹتے ہی اس کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ اس نے نظریں اٹھائیں۔ وزیر خان داد طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا "واہ بھئی' تم نے تو کمال کر دیا" اس نے پوری سچائی سے کہا اور وزیر خان خوش ہو گیا۔ یہ بڑی بات تھی کہ خواہش نہ ہونے کے باوجود وہ تین ٹوسٹ کھا گئی۔ کافی بھی بہت عمدہ تھی۔

کھانے کے بعد وزیر خان دوبارہ کام میں مصروف ہو گیا۔ اس بار وہ تندہی سے کام کر رہا تھا۔ پچھلی ہی سہی مگر میم صاب کے معاملے میں اسے پہلی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سعید خان کو پہلے آنے کے اعتبار سے اس پر فوقیت حاصل ہے۔ لیکن اور بہت سے معاملات میں وہ اس سے آگے تھا۔ کام مشکل اور وقت طلب تھا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ بالآخر وہ میم صاب کا دل جیت لے گا۔

ایک گھنٹے بعد سعید خان بھی آگیا۔ وہ گوبر کی کھاد کی بوری رکھ کر لایا تھا۔ سورج ڈھلتے ڈھلتے انہوں نے باغیچے کا کام بھی مکمل کر لیا۔ پھر انہوں نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدل لئے۔ اب انہیں صاب کی آمد کا انتظار تھا۔ جیپ کی آواز سنائی دی تو انہوں نے بچوں کی طرح اس طرف دوڑ لگا دی۔

ہیری رچرڈسن کاٹیج سے کافی دور تھا کہ وہ اس تک پہنچ گئے۔ ہیری نے بریک لگایا "کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟" اس نے پرتشویش لہجے میں پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے صاب۔ آپ چل کر کام دیکھیں ہمارا۔ گاڑی نہ روکیں۔ ہم ساتھ ساتھ بھاگیں گے۔"

"نہیں۔ تم جیپ میں بیٹھ جاؤ۔"

انہیں بٹھا کر ہیری رچرڈسن کاٹیج تک پہنچا۔ کاٹیج کو دیکھ کر اس کا دل خوش ہو گیا۔ باغیچے کو تو وہ اس وقت نہیں سراہ سکتا تھا کیونکہ اندھیرا ہو گیا تھا۔ اندر جا کر اس نے ہر کمرے کا' کچن کا اور باتھ روم کا جائزہ لیا "تم نے کمال کر دیا" اس نے سعید خان کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا "مگر یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

سعید خان نے وزیر خان کے متعلق بتایا "اس نے میرا ہاتھ بٹایا ہے صاب جی ورنہ یہ اتنی جلدی ہونے والا کام نہیں تھا۔"

"ہاں... میں جانتا ہوں" ہیری نے کہا "لیکن سعید خان ایک بری خبر ہے۔ میں تمہیں ابھی مزدوری نہیں دے سکوں گا۔ پیسے نہیں ہیں میرے پاس۔"

"صاب جی۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں۔ آپ مجھے اچھے لگے ہیں۔ اس لئے طبیعت سے کام کیا ہے آپ کا۔ پیسوں کی بات تو نہیں ہے۔"

"پھر بھی ضرورت تو ہوتی ہے۔"

"ہم غریب لوگ ہیں صاب جی۔ ہمارا گزارہ تو پیسے کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ وہ تو لاہور سے کچھ کما لائے تھے ورنہ ہمیں مہینوں پیسے کی شکل نظر نہیں آتی۔"

"مجھے اپنے بارے میں بتاؤ سعید خان" ہیری رچرڈسن نے کہا۔

وہ تینوں اس وقت سٹنگ روم میں بیٹھے تھے۔ اسٹیلا نے ان کے سامنے کافی کی پیالیاں رکھ دی تھیں۔ سعید خان نے اپنے بارے میں تفصیل بتائی۔ ہیری توجہ سے سنتا اور سرہلاتا رہا "میرا یہ مشورہ یاد رکھنا۔ جب بھی موقع ملے' کچھ بھی نہ کرنا' بس زمین خریدنا" اس نے کہا "یاد رکھو' زمین بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ تمہیں زمین خریدنے کا موقع ضرور ملے گا۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ اسٹیلا ہیری کے سامنے آ بیٹھی "کام بہت اچھا کیا ہے لڑکوں نے" ہیری نے کہا۔ پھر پوچھا "کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں دیکھی ان میں؟"

"نہیں۔ بلکہ اکثر تو یہ میرے سو کر اٹھنے سے پہلے آ کر کام شروع کر دیتے تھے۔ چور بے ایمان نہیں ہیں" اسٹیلا نے بتایا۔

"میں اس سعید خان کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں کالج کے کاموں کے لیے اسے رکھنا چاہتا ہوں۔ ہمیں ضرورت ہے ایک ایسے آدمی کی۔ اگر تم مطمئن ہو تو بات کرلوں اس سے۔"

"مطمئن تو میں ہوں" اسٹیلا نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا "لیکن اس نے اپنے ساتھ اس دوسرے لڑکے کو لگا لیا ہے۔ ہمیں دو لڑکوں کی تو ضرورت نہیں۔"

"میں اس سے بات کرلوں گا۔ اگر ایک تنخواہ میں دونوں مل جائیں تو کوئی برائی بھی نہیں ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"ایک اور کام بھی آ گیا ہے ان کے لیے" ہیری نے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں "کل اسی علاقے کے ایک خان نے مجھے دو گھوڑے دیے ہیں۔ ایسے خوب صورت گھوڑے ہیں کہ دیکھو گی تو دیکھتی رہ جاؤ گی۔ میں سوچ رہا ہوں، گھوڑوں کو بھی یہیں رکھا جائے۔ ویک اینڈ کے لیے ایک اور تفریح ہو جائے گی۔"

"مگر مجھے تو رائیڈنگ آتی نہیں ہے۔"

"تو آ جائے گی۔ تم اس کی فکر مت کرو۔"

"اور یہاں کوئی اصطبل ٹائپ کی جگہ بھی نہیں ہے۔"

ہیری ہنسنے لگا "اصطبل یہ لڑکے بنائیں گے۔ کل آئیں گے تو ان سے بات کروں گا۔ ابھی تو میں نے انہیں مزدوری بھی نہیں دی ہے" اس نے اسٹیلا کو پیسوں کے بارے میں سعید خان سے اپنی گفتگو سنائی "دیکھو تو غریب لوگ ہیں۔ پیسہ پاس نہیں پھر بھی پیسے کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ محبت والے لوگ ہیں۔"

اس رات ہیری رچرڈسن بہت خوش تھا۔ طویل عرصے کے بعد وہ اسٹیلا کو سویر اور خوش دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسٹیک تیار کی تھی۔ اسٹیلا نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ کھانے کے بعد وہ باغیچے میں چہل قدمی کرتے رہے۔ پھر وہ بیڈ روم میں چلے آئے "حیرت انگیز لڑکا ہے یہ سعید خان" ہیری نے کہا "باغیچے کو بھی بدل کر رکھ دیا اس نے۔"

"ہاں.... تمہارے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ تمہیں ورشپ کرتا ہے۔"

"ورشپ اور مجھے؟" ہیری نے حیرت سے کہا "مجھے لگتا ہے کہ وہ تمہیں ورشپ کرتا ہے۔"

"نہیں.... تمہارے لیے وہ ایک غلام کی طرح ہو جاتا ہے" اسٹیلا نے زور دے کر کہا "میرے معاملے میں تو وہ بے حد شرمیلا ہے۔ سچ پوچھو تو اسے دیکھ کر مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔"

"خیر.... کچھ بھی ہو۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمہیں یہ جگہ اچھی لگنے لگی ہے۔ اتنے عرصے میں پہلا موقع ہے کہ میں تمہیں خوش دیکھ رہا ہوں ورنہ تم یہاں بھی خوش ہو کر نہیں آئی تھیں اور یہاں خوش بھی نہیں رہتی تھیں۔ میرے لیے تو یہ سب سے بڑی بات ہے۔"

"یہ اعتراف تو میں ضرور کروں گی کہ اس مقام کے متعلق میرا پچھلا رویہ سراسر زیادتی تھا" اسٹیلا نے مسکراتے ہوئے کہا "سچ یہ ہے کہ میں اس مقام سے چڑتی تھی۔ نفرت تھی مجھے اس سے۔ لیکن اب مجھے یہ حیرت انگیز طور پر بہت اچھا لگتا ہے۔ ایک بات بتاؤں۔ اس علاقے میں کوئی پراسراری کشش ہے۔ بہت عرصے بعد وہ سمجھ میں آتی ہے۔ اور اس کے بعد جکڑ لیتی ہے آدمی کو۔ عجیب طلسماتی مقام ہے یہ۔ اب تو یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا۔"

"میرے لیے تو یہ شکر کا مقام ہے۔"

اس رات کی قربت میں اسٹیلا کی گرم جوشی اور والہانہ پن بھی ہیری رچرڈسن کے لیے حیرت انگیز تھا۔ اسے شادی کے بعد کا ابتدائی عرصہ یاد آنے لگا۔ لیکن وہ یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ وہ اسٹیلا کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

ادھر اسٹیلا بھی اپنی کیفیت پر حیران تھی۔ وہ ہیری رچرڈسن کے ساتھ تھی۔ لیکن درحقیقت وہ اس کے ساتھ نہیں تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیتا جاگتا سعید خان اس کے سامنے ہے۔ وہ ایسی مستی اور سرشاری کی کیفیت میں تھی، جو دنیا کی کسی شراب میں نہیں تھی۔ کچھ بھی ہو، وہ دونوں ہی بہت خوش تھے!

○☆○

اگلے روز دونوں لڑکے ذرا دیر سے آئے۔ دونوں کے درمیان کھنچاؤ تھا۔ درحقیقت کھنچاؤ صرف سعید خان کی طرف سے تھا۔ وزیر خان کا نماز چھوڑنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔ لیکن وزیر خان نے جو سبب بیان کیا تھا، اس کے بعد وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ میم صاب کو جن نظروں سے دیکھتا تھا، وہ بھی سعید خان کو اچھی نہیں لگتی تھیں۔ اس میں اسے دو طرح کے خطرے نظر آتے تھے۔ ایک تو یہ کہ کہیں میم صاب ناراض نہ ہو جائے اور صاب سے شکایت نہ کر دے۔ اس صورت میں نقصان سعید خان کو بھی پہنچتا۔ وزیر خان کو وہی تو لے کر آیا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ وزیر خان اس کی بہن کا منگیتر تھا۔ سعید خان نہیں چاہتا تھا کہ اس رشتے میں کوئی خرابی پیدا ہو۔ وہ پچھتا رہا تھا کہ وزیر خان کو کیوں لے کر آیا۔ ویسے اس نے تو اپنی طرف سے بہن کے لیے بہتری ہی چاہی تھی۔ وزیر خان کچھ کماتا تو بہن ہی کے لیے اچھا ہوتا۔ مگر یہاں تو خرابی پیدا ہو رہی تھی اور اس کا ذمے دار بھی وہی تھا۔

وہ کالج پہنچے تو گورا صاب باغیچے میں ٹہل رہا تھا "تم لوگوں نے کمال کر دیا" اس نے انہیں دیکھتے ہی کہا "میں بہت خوش ہوں تم سے۔"

"شکریہ صاب" سعید خان سے پہلے وزیر خان نے جواب دیا۔ "دیکھو وزیر خان، تم اندر جاؤ۔ میم صاب سے کافی بنانے کو کہو۔ اور ہاں، سٹنگ روم سے کچھ کرسیاں باہر نکال لاؤ۔ دھوپ بہت اچھی لگ رہی ہے۔"

"ابھی لایا صاب" وزیر خان نے کہا اور کالج کی طرف دوڑ لگا دی۔ "بہت پھرتیلا لڑکا ہے" ہیری نے ستائشی لہجے میں کہا۔ پھر سعید خان کی طرف مڑا "مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے سعید خان۔ اور تمہارے اس دوست کے سامنے بات کرنا مناسب نہیں تھا۔"

"حکم کریں صاب" سعید خان نے کہا۔ اسے خدشہ تھا کہ صاب وزیر خان کی شکایت کرے گا۔

"پہلے ایک بات بتاؤ۔ تمہاری کوئی مصروفیت تو نہیں۔"

"نہیں صاب جی۔ ہم تو بالکل فارغ ہیں۔ بلکہ سوچ رہے ہیں کہ روزگار کے لیے شاید پھر لاہور جانا پڑے گا۔"

"اور اگر میں تمہیں یہیں نوکری دے دوں تو؟"

"یہ تو نعمت ہوگی نا صاب۔ ہم پہاڑی لوگوں کو شہر کا موسم اچھا تو نہیں لگتا۔ مگر مجبوری کی بات ہوتی ہے۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم کالج کی دیکھ بھال کیا کرو۔ ہم تو ہفتے میں دو دن کے لیے آتے ہیں۔ تم کالج کا خیال رکھو۔ باغیچے کی نگہداشت کرو۔ لکڑیاں کاٹ کر جمع کیا کرو تاکہ ہم آئیں تو آتش دان کے لیے کوئی مسئلہ نہ ہو۔ اوپر کے چھوٹے موٹے کام تمہیں کرنے ہوں گے۔ مگر وہ اس وقت جب ہم یہاں موجود ہوں۔"

"یہ تو میری خوش قسمتی ہوگی صاب۔"

"شکریہ۔ تمہارا ساتھی وزیر خان.... دیکھو کام ایک آدمی کا ہے۔ میں تمہیں ماہانہ پچاس روپے تنخواہ دوں گا۔"

پچاس روپے ہر ماہ.... سعید خان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں اسے مستقل نوکری مل سکتی ہے ورنہ وہ وزیر خان کو یہاں اپنے ساتھ کبھی نہ لاتا۔ اب یہ معاملہ نازک تھا۔ رشتہ بھی نازک تھا۔ اب وہ وزیر خان کو منع تو نہیں کر سکتا تھا اور منع نہ کرنے کا مطلب یہ تھا کہ تنخواہ کے بھی دو حصے ہوں گے۔ خیر.... پچیس روپے بھی کم تو نہیں ہوتے اور مل بانٹ کر کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ "ٹھیک ہے صاب جی۔ ہم تنخواہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔"

"تم جانو۔ لیکن میرے خیال میں تم بے وقوف ہو۔ تم اسے منع بھی کر سکتے ہو" ہیری نے کہا۔

"وہ میرا دوست اور ساجھے دار ہی نہیں صاب جی، رشتے دار بھی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ میری بہن سے اس کی شادی ہونے والی ہے۔"

"اوہ.... یہ بات ہے" ہیری نے سر کو تفہیمی جنبش دی "تب تو ٹھیک ہے۔ چلو میں تم دونوں کو ساٹھ روپے دوں گا۔"

"شکریہ صاب جی۔"

اتنی دیر میں وزیر خان برآمدے میں کرسیاں لگا چکا تھا "آؤ چلیں" ہیری نے اس سے کہا۔

ہیری برآمدے میں کرسی پر جا بیٹھا۔ وہ دونوں کھڑے رہے "بیٹھو نا" ہیری نے کہا۔ وزیر خان زمین پر بیٹھنے لگا تو اس نے کہا "نہیں۔ کرسی پر بیٹھو" وہ دونوں بھی کرسی پر بیٹھ گئے۔ اسٹیلا کافی لے آئی تھی۔ وہ بھی بیٹھ گئی۔

"ایک بات بتاؤ۔ تم لوگوں نے کبھی گھوڑوں کا کام بھی کیا ہے۔"

"میں تو بس سواری کرنا جانتا ہوں صاب۔ مگر...."

وزیر خان نے سعید خان کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں گھوڑوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں صاب جی۔"

"بات یہ ہے کہ مجھے کسی نے دو گھوڑے دیے ہیں تحفے میں" ہیری نے وضاحت کی "میں ان گھوڑوں کو یہاں رکھنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہاں تو اصطبل نہیں...."

"اسی لیے تو تم سے بات کر رہا ہوں" ہیری نے وزیر خان کی بات کاٹ دی "تم دونوں یہاں اصطبل بنا سکتے ہو۔ ضرورت کی ہر چیز میں فراہم کروں گا۔"

"کیوں نہیں صاب جی۔ یہ کام بھی ہو جائے گا۔"

"اس کام کی اجرت میں الگ دوں گا" ہیری نے سعید خان سے کہا "باقی بات تم اپنے ساتھی سے کرلو۔"

"ٹھیک ہے صاب جی۔"

"اور میم صاب کو گھڑ سواری تم سکھاؤ گے" ہیری وزیر خان سے مخاطب ہوا۔

"ٹھیک ہے صاب۔"

"اب تم لوگ مجھے بتا دو کہ کیا کیا چاہیے تاکہ فوراً کام شروع کر سکو۔"

○☆○

ہیری رچرڈسن بیوی میں مثبت تبدیلی سے بہت خوش تھا۔ اس کے خیال میں یہ کالج کا اور اس علاقے کی فضا کا کمال تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسٹیلا کے مزاج میں پھر چڑچڑا پن پیدا ہو۔ کیونکہ اس کا اس پر اور اس کے کام پر اچھا اثر نہیں پڑتا تھا۔ اسی لیے اسے اصطبل والا آئیڈیا سوجھا تھا۔ اسی بہانے اسٹیلا یہاں رکتی۔ پھر اس کے بعد گھڑ سواری سیکھنے کے شوق میں رکتی۔ اور ہیری رچرڈسن جانتا تھا کہ یہاں کی سادہ زندگی اور اس کی تفریحات آدمی کو ایک بار گھیر لیں تو پھر ہمیشہ کے لیے اسیر کر لیتی ہیں۔ خود اس کا یہی حال تھا۔ اتوار کی شام رخصت ہوتے وقت اس نے سعید خان کو سو روپے اور وزیر خان کو پچاس روپے دیے "یہ تمہارے پچھلے کام کی اجرت ہے" اس نے کہا "اصطبل کے لیے کسی اضافی چیز کی ضرورت ہو تو میم صاب سے پیسے لے لینا۔ کام فرسٹ کلاس ہونا چاہیے" پھر وہ سعید خان کی طرف مڑا "اور ہاں.... میم صاب کا خیال رکھنا۔"

دونوں لڑکے خوش ہو گئے تھے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سپنے دیکھ رہے تھے۔ سعید خان کے پاس اس وقت دو سو روپے جمع ہو گئے تھے۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی کہ وہ زمین خرید سکتا تھا۔ صاحب نے سچ کہا تھا کہ اسے زمین خریدنے کا موقع ضرور ملے گا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ امید تو یہی تھی کہ اصطبل کے کام کے بعد بھی کم از کم سو روپے ضرور ملیں گے۔ پھر وہ زمین خریدے گا۔ اس کے بعد بیس روپے ماہوار الگ۔ وہ بھی جمع ہی ہوں گے۔ اور پھر مزید زمین!

دوسری طرف وزیر خان نے بھی بیری رجہ زمین کا مشورہ گرہ میں باندھ لیا تھا۔ وہ بھی زمین کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یعنی زمین ان دونوں کا خواب مشترک تھا۔ لیکن وزیر خان کی آنکھوں میں ایک اور خواب بھی تھا۔ اور وہ ریشم کا نہیں، میم صاب کا تھا۔ وہ اس تصور سے سرشار تھا کہ وہ میم صاب کو گھڑ سواری سکھائے گا۔ اس تصور نے اس کے خواب کو اور رنگین کر دیا تھا۔

اگلے روز سے انہوں نے اصطبل پر کام شروع کر دیا۔ وہ بہت محنت کر رہے تھے۔ شام کو دیر تک.... بلکہ بعض اوقات رات تک کام کرتے۔ دونوں کا مقصد یہی تھا کہ جلد از جلد کام مکمل ہو جائے اور انہیں پیسے مل جائیں تاکہ زمین خریدی جا سکے۔ دونوں نے اسٹیلا کو نظر انداز ہی کر دیا تھا۔ اسٹیلا کو ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ لیکن وہ شراب سے دور رہی تھی۔ اکثر وہ چائے، کافی یا سینڈوچ لے کر ان کے پاس چلی جاتی۔ دیر تک بیٹھ کر انہیں کام کرتے دیکھتی رہتی۔

چوتھے دن کچھ سامان لانے کی ضرورت پڑی۔ سعید خان کاٹیج میں چلا آیا۔ اسٹیلا سٹنگ روم میں بیٹھی تھی "کیا بات ہے ڈارلنگ، تم یہاں کیسے؟" اسٹیلا نے پوچھا "تم نے تو یہاں آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ میں اکیلی بور ہوتی رہتی ہوں۔"

"کام کی مصروفیت ہی اتنی ہے اسٹیلا میم صاب۔ وقت ہی نہیں ملتا" سعید خان نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اتنی جلدی کیا ہے کام کی۔ آرام سے کرو۔"

"جوں ہی کام ختم ہو گا تو پیسے ملیں گے۔"

"پیسے؟ میں نے تو کہا تھا، تمہیں پیسوں کی پروا ہی نہیں۔" اسٹیلا نے حیرت سے کہا۔

"پیسوں کی تو واقعی پروا نہیں ہے۔ پر اسٹیلا میم صاب، زمین کی تو فکر ہے۔"

"اچھا!" اسٹیلا کی کچھ سمجھ میں آیا، کچھ نہیں آیا "خیر.... بیٹھو نا یہاں۔"

سعید خان بدستور کھڑا رہا "وہ اسٹیلا میم صاب جی، کچھ سامان جا کر لانا ہے بازار سے۔ پیسے چاہئیں۔"

"کون جائے گا بازار؟"

"میں جاؤں گا جی۔"

اسٹیلا نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے چار بجے تھے "ایسا کرو.... ایک گھنٹے بعد وزیر خان کو ساتھ لے کر آنا۔ میں پیسے دے دوں گی۔"

"مگر اسٹیلا میم صاب، بازار بند نہ ہو جائے۔"

"جیسا میں کہتی ہوں، ویسا ہی کرو" اسٹیلا نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ چلا گیا۔

ساڑھے پانچ بجے وہ دونوں آئے تو اسٹیلا آتش دان دہکانے کی تیاری کر رہی تھی "آ گئے تم دونوں۔ میں ابھی پیسے دیتی ہوں" اسٹیلا نے کہا۔ اور میز پر رکھے ہوئے پرس کی طرف بڑھی۔ پرس سے سو کا نوٹ نکال کر اس نے وزیر خان کی طرف بڑھایا "یہ لو۔ لیکن پہلے ایک کام کرو۔ ذرا کچھ لکڑیاں کاٹ کر لا دو آتش دان کے لیے...."

"لیکن اسٹیلا میم صاب، بازار تو مجھے جانا ہے" سعید خان نے احتجاج کیا۔ وزیر خان کی نظروں میں تائید تھی۔ اسے میم صاب کے ساتھ اکیلے رہنے کا موقع مل رہا تھا۔

"ایک تو تم لوگ میرا حکم بھی نہیں مانتے" اسٹیلا نے درشتی سے کہا۔

"میں تو مانتا ہوں میم صاب" وزیر خان نے کہا "میں لکڑیاں لاتا ہوں جی" یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

"اب تم جا کر اپنا کام کرو" اسٹیلا نے سعید خان سے خشک لہجے میں کہا۔ وہ بھی چلا گیا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد وزیر خان لکڑیاں لے کر آیا "یہ لیجیے میم صاب۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم بازار چلے جاؤ۔"

"لیکن میم صاب، میرے پہنچتے پہنچتے دکانیں بند ہو چکی ہوں گی۔ سامان کل لے آؤں گا۔"

"نہیں آج ہی کوشش کرو۔ دکانیں بند ہوں تو گھر چلے جانا۔ کل سامان لیتے ہوئے آنا۔"

وزیر خان اس بات میں خوش نہیں تھا۔ لیکن پہلے ہی دن وعدہ کر چکا تھا کہ اس کا ہر حکم مانے گا۔ اور یہ میم صاب کا حکم تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ یہ بھی گھاٹے کا سودا تو نہیں۔ اس سامان کی خریداری میں وہ کچھ رقم بچا بھی سکتا ہے۔ وہ سلام کر کے نکل آیا۔ جانے سے پہلے اس نے سعید خان کو خدا حافظ بھی کہا۔

پندرہ منٹ بعد اسٹیلا نے سعید خان کو آواز دی۔ وہ آیا تو وہ بیٹھی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی "سنو ڈارلنگ، میں باتھ روم جا رہی ہوں۔ تم ذرا آتش دان دہکا دو۔ اور ہاں.... جانا نہیں۔ مجھے دیر لگے تو یہاں آتش دان کے سامنے بیٹھ کر اس میگزین سے دل بہلانا۔"

"لیکن میم صاب، مجھے پڑھنا کہاں آتا ہے۔"

"یہ پڑھنے والا نہیں، دیکھنے والا رسالہ ہے" اسٹیلا یہ کہہ کر باتھ روم کی طرف چل دی۔

سعید خان نے آتش دان میں سلیقے سے لکڑیاں جمائیں، کچھ کاغذ رکھے اور ایک جلتا ہوا کاغذ ان پر ڈال دیا۔ کچھ دیر وہ کھڑا رہا

یہ دیکھنے کے لیے کہ دوبارہ آگ جلانے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ پھر وہ مطمئن ہو کر پلٹ آیا۔ اس نے وہ رسالہ اٹھایا، جو اسٹیلا اس کے لیے چھوڑ گئی تھی۔ قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے بعد اس نے بہت اطمینان سے رسالہ کھولا۔ لیکن پہلی تصویر پر نظر پڑتے ہی وہ ہکا بکا ہو گیا۔ کئی لمحے گزر گئے۔ وہ رسالے کو بند کر دینا چاہتا تھا۔ لیکن لرزتے ہاتھوں کو حرکت دینا جیسے اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ وہ تصویر سے نظریں ہٹا لینا چاہتا تھا لیکن آنکھیں سرکشی پر اتر آئی تھیں۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ تھی۔ برائی کا احساس اس کے اندر موجود تھا۔ لیکن وہ بھی اس کی طرح بے بس تھا۔

بڑی مشکل سے.... بہت کوشش کر کے اس نے نظریں ہٹا لیں۔ اس نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ وہ رسالہ نہیں ہے، جو میم صاب اس کے لیے چھوڑ گئی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس نے غلطی سے دوسرا رسالہ اٹھا لیا ہے۔ مگر کمرے میں کوئی اور رسالہ تھا ہی نہیں۔

اسے معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ رسالہ دیکھنے کی خواہش اس کے اندر بے حد شدید تھی۔ وہ اس خواہش کے خلاف مزاحمت کر رہا تھا۔ لیکن وہ خواہش طوفان کی طرح اس کے اندر اٹھی تھی۔ اسے احساس تھا کہ وہ یہ جنگ ہار جائے گا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ آنکھیں مچل رہی تھیں۔ نظریں بے قابو ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ طوفان اس کے ہوش و حواس کو تنکے کی طرح بہا لے گیا۔ اس کی نظریں رسالے کی تصویر پر جم گئیں۔ اب طوفان جیسے دماغ تک پہنچ گیا تھا۔ کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس نے ورق الٹ دیا۔ سامنے ایک اور تصویر تھی.... پچھلی تصویر سے زیادہ تباہ کن!

یہ پہلا موقع تھا کہ کبھی ایک نامعلوم وحشت میں گرفتار ہو کر جو کچھ وہ تصور میں دیکھنے کی کوشش کرتا تھا، بغیر کسی ابہام کے دیکھ رہا تھا۔ اس کی وحشتوں کی کوئی حد نہیں تھی۔

وہ ورق الٹتا رہا۔ بعض تصویروں کو اس نے کئی کئی بار دیکھا۔ ایک جادو تھا، جس نے اسے اسیر کر لیا تھا۔

وہ اس قدر منہمک تھا کہ اسے قدموں کی چاپ بھی نہیں سنائی دی۔ اسے نظروں کی چبھن کا احساس بھی نہیں ہوا۔

اسٹیلا کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ وہ اس وقت تصویر سے زیادہ تباہ کن تھی۔ اس کے جسم پر ایک باریک گاؤن کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ سعید خان اس کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس چکا ہے۔ وہ ایک نازک سحر میں گرفتار ہے۔ اسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کا اسے پکارنا مناسب نہیں۔ ایک سحر سے دوسرے سحر تک نظر پہنچنے میں جو ایک ثانیہ آئے گا، وہ اسے اس طلسم سے آزاد بھی کر سکتا ہے۔ وہ کچا کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ دبے پاؤں بڑھی اور بڑی آہستگی سے قالین پر اس کے سامنے جا بیٹھی۔

اس کی موجودگی کے احساس سے سعید خان کی محویت ٹوٹی۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو اسے روبرو پایا۔ پہلا طلسم کاغذی تھا۔ مگر یہ جیتا جاگتا، سانس لیتا طلسم تھا۔ اسٹیلا کے جسم سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو دونوں کی نظریں ملیں۔ پھر سعید خان کی نظروں نے نیچے کا سفر شروع کر دیا۔

اس بار سعید خان کو معلوم ہوا کہ طوفان کیا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے وہ جسے طوفان سمجھ رہا تھا، وہ تو طوفان کا آغاز تھا۔ طوفان تو اب سر اٹھا رہا تھا۔ وحشت سی وحشت تھی۔ ایسی وحشت تو اس پر کبھی طاری نہیں ہوئی تھی۔

اس کا رد عمل تو اسٹیلا کے لیے خلاف توقع نہیں تھا۔ لیکن اس کی شدت اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھی۔ وہ اس پر یوں جھپٹا تھا، جیسے کوئی باز چڑیا کو دبوچتا ہے۔ وہ خود کوئی موم کی گڑیا نہیں تھی۔ لیکن لمحوں میں وہ اس پر پوری طرح چھا گیا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ جانتی تھی کہ مزاحمت وحشت کو اور سوا کر دے گی۔ وہ حد سے بڑھنے لگا تو اسٹیلا نے تحدیدی لہجے میں اسے پکارا "سعید خان!" اس نے دانستہ اسے ڈارلنگ کہنے سے گریز کیا تھا۔ پہلی پکار بے اثر ہوئی۔ دوسری.... تیسری پکار پر اس کے ہاتھ ٹھٹکے۔ چوتھی پکار پر اس نے چونک کر اسٹیلا کو دیکھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی نہیں، اجنبیت تھی۔

"سعید خان.... ہوش میں آؤ" اسٹیلا کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

"اسٹیلا!" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا ڈارلنگ کہ ہر کام کے آداب، طور طریقے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر محبت کے۔ اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہیں آداب سکھاؤں گی۔"

سعید خان کے ہاتھ اب بھی گستاخی پر آمادہ تھے۔

"سعید خان.... اب اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں کاٹیج سے بھی نکال دوں گی اور نوکری سے بھی۔ وزیر خان تم سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ وہ تابع دار ہے۔ میرے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔"

اس بار سعید خان پوری طرح ہوش میں آ گیا۔ بلکہ اسے ایسا لگا، جیسے کسی نے یخ بستہ پانی کی بالٹی اس کے سر پر انڈیل دی ہے۔ اسے جھٹکا سا لگا۔ اس کا دماغ سنسنانے لگا۔ کاٹیج سے نکالے جانے پر اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ لیکن نوکری سے نکالا جانا اسے قبول نہیں تھا۔

"ڈارلنگ.... اتنی جلدی کیا ہے۔ وقت کی تو کمی نہیں ہمارے پاس" اسٹیلا نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

لیکن اب اس لہجے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ طلسم پوری طرح ٹوٹ چکا تھا۔ سعید خان اس وقت غصے اور نفرت سے پھنک رہا تھا۔ لیکن اتنی ذہنی انتشار کے باوجود، غصے اور نفرت کے باوجود اسے اس بات کا خیال رکھنا تھا کہ اس کے مفادات کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ اسٹیلا نے اس کی مردانگی کی، اس کے وجود کی توہین کی تھی۔ اس نے لفظوں کے بغیر اسے جنگلی اور اجڈ کہا

تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو ڈارلنگ؟" اسٹیلا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔
مصلحت نے سعید خان کو اس کا ہاتھ جھٹکنے سے روک دیا۔
"کچھ نہیں اسٹیلا میم...."
"صرف اسٹیلا کہو مجھے" اسٹیلا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
"اسٹیلا میں تمہاری باتوں پر غور کر رہا ہوں۔"
"سنو ڈارلنگ، میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔ محبت بہت نازک اور لطیف چیز ہے۔ اس میں پیار بھری باتوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے...."
اسٹیلا کہتی رہی۔ لیکن سعید خان کچھ نہیں سن رہا تھا۔ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ایک یقینی گناہ سے بچ گیا۔ اس اعتبار سے میم نے اس پر احسان کیا ہے ورنہ وہ تو ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔ اسے اچھے برے کی تمیز نہیں رہی تھی۔ ایک بار وہ گر جاتا تو پھر ہمیشہ ذلت کے اس کنوئیں میں گرا رہتا۔ پھر اس نے سوچا' احسان اپنی جگہ مگر اس ذلت اور توہین کا بدلہ ضرور لینا ہے اور وہ بھی ایسے کہ اس کے مفادات پر ضرب بھی نہ پڑے۔
"سمجھ رہے ہو نا میری بات؟" اسٹیلا نے اسے چونکا دیا۔
اس نے اسٹیلا کو دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ سمجھ رہا ہوں" اسے حیرت ہوئی کہ اب وہ اسے اتنی بری لگ رہی ہے کہ دیکھنا بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ خوب صورت تو وہ اب بھی تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر کراہت آ رہی تھی۔
"تو پھر عمل بھی کرنا۔"
"ایک بات کہوں اسٹیلا میم.... آج آپ کے چہرے پر وہ چمک نہیں' جو اس دن تھی۔ وہ گلابی رنگت بھی نہیں ہے۔"
"میرا خیال تھا کہ میں بہت اچھی لگ رہی ہوں" اسٹیلا نے مایوسی سے کہا۔
"اچھی تو آپ ہمیشہ لگتی ہیں۔ مگر آج جو کمی ہے وہ مجھے معلوم بھی ہے۔"
"تو مجھے بتاؤ۔"
"جب آپ پیتی ہیں نا تو آپ کا چہرہ تمتما جاتا ہے۔ آپ بہت اچھی لگتی ہیں اس وقت۔"
سعید خان کی بات نے اسٹیلا کو بھڑکا دیا۔ واقعی.... شراب بھی ہو تو دو آتشہ ہو جائے۔ وہ اٹھی اور جا کر بوتل اور جام لے آئی۔ سعید خان نے تشویش سے دیکھا کہ وہ دو جام لائی ہے اور بنا بھی رہی ہے۔ اسٹیلا نے جام اس کی طرف بڑھایا تو اس نے احتجاج کیا "یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟"
"تم بھی پیو گے نا میرے ساتھ۔ اکیلے پینے میں لطف نہیں آتا۔"
"لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں نہیں پی سکتا۔ ہمارے لیے تو یہ حرام ہے۔"
"حرام تو ہمارے لیے بھی ہے۔ تم فضول باتیں مت کرو۔ منع تو ہمارا اس طرح ساتھ بیٹھنا بھی ہے۔"
سعید خان کو جھٹکا لگا۔ کہہ تو وہ ٹھیک رہی تھی۔ لیکن وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کا اس دوسرے گناہ کا بھی کوئی ارادہ نہیں "بس اسٹیلا.... میں پی ہی نہیں سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں نے پی تو میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔ پھر سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔"
اسٹیلا اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے سر کو تفہیمی جنبش دی۔ وہ اس شام کو برباد نہیں کرنا چاہتی تھی "ٹھیک ہے۔ میں اصرار نہیں کروں گی۔"
سعید خان اس کی تعریف کرتا رہا اور اسے اور پینے پر اکساتا رہا "پتا نہیں کیا بات ہے۔ وہ چمک ہی نہیں آئی آپ کے چہرے پر" وہ یہ کہتا اور ایک اور جام اسے تھما دیتا۔ پانچویں جام کے بعد اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ آنکھوں میں دھندلاہٹ اتر آئی۔
"اسٹیلا میم صاب' مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔"
"وہ میری بے وقوف کہتا تھا' تمہیں پیسے کی پروا نہیں" اسٹیلا نے اس کی آنکھوں کے آگے انگلی نچاتے ہوئے کہا "مگر تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں پیسے دوں گی۔"
یوں سعید خان کو سو روپے کا بونس بھی مل گیا۔ تھوڑی دیر میں اسٹیلا بالکل آؤٹ ہو گئی۔ اس بار سعید خان اس پر اوپر لے جا کر لٹانے کی مہربانی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تاہم اس نے اتنا ضرور کیا کہ آتش دان میں مزید لکڑیاں ڈال دیں اور ایک کمبل لا کر اس کے جسم پر ڈال دیا۔ پھر وہ کاٹیج سے نکل آیا۔

○☆○

اسٹیلا کی آنکھ صبح چار بجے کے قریب کھلی۔ اس نے اپنے دائیں بائیں ادھر ادھر ٹٹولا۔ اسے توقع تھی کہ سعید خان وہاں موجود ملے گا۔ لیکن وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اسے اپنے جسم پر پڑے کمبل کا احساس ہوا۔ کمبل تو وہ ساتھ نہیں لائی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
وہ سٹنگ روم میں ہی تھی۔ آتش دان سرد ہو چکا تھا۔ اسے تھرتھری چڑھنے لگی۔ اس نے خود کو اچھی طرح کمبل میں لپیٹ لیا۔ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد اسے اپنی کیفیت سمجھنے کا موقع ملا۔ اس کی زبان اینٹھی ہوئی تھی اور یوں موٹی ہو رہی تھی کہ جیسے منہ میں سما ہی نہیں سکے گی۔ حلق میں کانٹے ابھر رہے تھے۔ منہ میں کڑواہٹ تھی۔ ذہن کا یہ حال تھا کہ اس کے لیے کچھ سوچنا بھی مشکل تھا۔ اس کیفیت کا توڑ بھی ایک جام ہی تھا۔ مگر وہ اب پینا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اٹھ کر ایک جام لیا اور پھر کچن میں چلی گئی۔ اس نے خوب گاڑھی سیاہ کافی بنائی۔ تھرموس میں کافی بھر کے وہ بیڈ روم کی طرف چل دی۔ جام پینے کے بعد دماغ پر چھائی ہوئی دھند چھٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ ایسے کام نہیں چلے گا۔ اوپر پہنچ کر وہ بستر پر نیم دراز ہو گئی۔ اس نے ایک اور کمبل اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس کے بعد وہ پے در پے کافی کی چار پیالیاں حلق سے اتار گئی۔ اب وہ کچھ سوچ سمجھ سکتی تھی۔
کافی سے اس کے حلق سے لے کر وجود تک میں کڑواہٹ اتر گئی۔ لیکن نہیں' کڑواہٹ تو پہلے سے موجود تھی۔ بہرحال اب وہ کم از کم سوچ تو سکتی تھی۔ اور وہ گزشتہ شام کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ سب کچھ اسے دھندلا دھندلا یاد آ رہا تھا۔ اس نے وزیر خان کو رخصت کیا تھا۔ سعید خان کو بلا کر آتش دان روشن کرنے کو کہا تھا۔ پھر وہ باتھ روم سے آئی تھی تو سعید خان میگزین کو بڑے ذوق و شوق سے دیکھ رہا تھا۔ پھر سعید خان کی وحشت' اس کا روکنا اور....
اس پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی۔ یہ شراب ہمیشہ گڑبڑ کر دیتی ہے۔ اس نے سوچا۔ لیکن اسے احساس ہو رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ بھی ہے جسے اس کا ذہن گرفت میں نہیں لے پا رہا ہے۔ وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔
جانے کتنی دیر تک وہ جاگتی رہی۔ بالآخر اسے نیند آ گئی۔ اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو دھوپ چڑھ چکی تھی۔ اسے یاد آیا کہ وہ جمعے کا دن ہے۔ آج ہیری بھی آئے گا۔

○☆○

"کیا بات ہے۔ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ کام نہیں کیا۔"
وزیر خان نے سعید خان سے پوچھا "کیا چھٹی کر لی تھی؟"
"نہیں' چھٹی تو نہیں کی تھی۔ مگر سان کام بھی نہیں کیا تھا۔"
سعید خان نے جواب دیا۔
"تو پھر کیا کرتے رہے؟" وزیر خان نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔
"میم صاب کے کہنے پر ادھر ادھر کے کام کرتا رہا تھا۔"
وزیر خان خوب جانتا تھا کہ ادھر ادھر کے کام کیا تھے۔ وہ نہ تو دودھ پیتا بچہ تھا' نہ ہی بے وقوف تھا۔ وہ گیا نہیں تھا۔ اس نے سٹنگ روم کی کھڑکی سے وہ پورا تماشا دیکھا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے بڑی مشکل سے خود کو اس محفل میں زبردستی کی شرکت سے روکا تھا۔ اسے میم صاب پر بھی غصہ آ رہا تھا اور سعید خان پر بھی۔ سعید خان خوش قسمت تھا۔ جس چیز کے لیے وہ یعنی وزیر خان مرا جا رہا تھا وہ اس سعید خان کو بن مانگے مل رہی تھی۔ اور وہ....
"سامان لے آئے ہو؟" سعید خان نے پوچھا۔
"ہاں۔ لے آیا ہوں۔"
"آج صاب آئے گا۔"
"ہاں۔ لیکن کام ابھی کافی باقی ہے۔"
"ابھی یہ پورا ہو گا بھی نہیں۔ پیر کا دن گزر جائے گا کام ہوتے ہوتے۔ بلکہ منگل ہی سمجھ لو۔"
دونوں کام میں لگے رہے۔ پھر اچانک وزیر خان نے کہا "میم صاب نظر نہیں آئی ابھی تک۔"
"سو رہی ہو گی۔ یہ لوگ دیر تک سوتے ہیں" سعید خان نے بے پروائی سے کہا۔
بارہ بجے کے قریب اسٹیلا ان کے لیے چائے لائی "کیسے ہو تم لوگ؟" اس نے پوچھا۔ اس نے سعید خان کو دیکھنے سے گریز کیا تھا "تم سامان لے آئے وزیر خان؟"
"جی میم صاب۔ آج صبح بازار گیا تھا۔ کل تو بازار بند ہو چکا تھا۔"
"چلو ٹھیک ہے۔"
وزیر خان نے جیب سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے "یہ پیسے بچے ہیں میم صاب۔"
"یہ تم رکھ لو" اسٹیلا نے بے پروائی سے کہا۔ پھر وہ کاٹیج میں چلی گئی۔
"یہ لوگ دل کے بڑے ہوتے ہیں" اس کے جانے کے بعد وزیر خان نے کہا۔
"بغیر مطلب کے کسی کو کچھ نہیں دیتے" سعید خان نے تلخ لہجے میں کہا "ہشیار رہنا۔"
"میں بہت ہشیار ہوں۔ تم اپنی فکر کرو" وزیر خان نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔
ادھر اسٹیلا کا ذہن بڑی حد تک صاف ہو چکا تھا۔ وہ سٹنگ روم میں بیٹھی رات کے بارے میں سوچ رہی تھی اور اس کی سمجھ میں بہت کچھ آ رہا تھا۔ اس نے ہر قدم پر عقل مندی سے کام لیا تھا مگر اب اسے خیال آ رہا تھا کہ ایک مقام پر وہ چوک گئی تھی۔ اسے سعید خان کی وحشت کے آگے بند نہیں باندھنا چاہیے تھا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے اس کا غلام ہو جاتا۔ اس نے اسے ہوش میں لا کر اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مار لی تھی۔
اب وہ رات کے ہر اس لمحے کو تصور میں دیکھ رہی تھی' جس کا اسے ہوش تھا۔ اسے سعید خان کے چہرے کا اس وقت کا تاثر یاد آیا جب اس کی تنبیہ اسے ہوش میں لائی تھی۔ بس اس کے بعد وہ بدل گیا تھا۔ لیکن یہ بات وہ اب سمجھ سکتی تھی۔ اس وقت تو سعید خان نے اسے یہ سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ اس نے انداز ایسا اختیار کیا تھا' جیسے اس کا مطیع ہو چکا ہو۔ پھر اس نے اسے پینے کی ترغیب دی تھی اور اس کے بعد اسے پینے پر اکساتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ کیا سعید خان نے وہ سب کچھ سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس کا یقینی جواب تو اس کے پاس نہیں تھا۔ لیکن امکان یہی تھا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اس کی حس بھی یہی بتا رہی تھی۔ اور اگر یہ سچ ہے تو....
اسٹیلا کو توہین کا شدید احساس ہونے لگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اس نے اسے ٹھکرایا تھا۔ بے وقوف بنایا تھا۔ اس کے پندار کو ٹھیس پہنچی تو وہ غصے سے سلگنے لگی۔ اسے اس توہین کا بدلہ لینا ہے۔
ان لمحوں میں نہ وہ انگریز رہی' جو حاکموں میں سے تھے۔ نہ وہ ایک باوقار عورت رہی۔ نہ ہی اسے اپنے مسز ہیری رچرڈسن ہونے کا احساس رہا۔ وہ بس ایک عورت تھی' جس کی نسوانی انا کو دانستہ طور پر زخمی کیا گیا تھا۔ بدلہ لینا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ کچھ

بھی کر سکتی تھی۔ وہ اپنے مجرم کو زندگی بھر سے محروم کر سکتی تھی۔ لیکن اس کے لیے اسے یہ احساس بھی ہوا کہ وہ سعید خان کو پسند کرتی جب اسے حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اور اب اس بات کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ اس نے اسے ٹھکرایا تھا۔ اس کی تلافی اسی صورت ہو سکتی تھی کہ سعید خان اس کے سامنے گڑگڑائے، حسن کی بھیک مانگے۔ اس کے التفات کی خیرات کا طلب گار ہو۔ اب اسے اسی ایک منصوبے کے تحت کام کرنا تھا۔

○☆○

بیری جو ڈن آچکا تھا۔ وہ اس بار بھی لڑکوں کے کام سے راضی اور مطمئن تھا۔ البتہ اسٹیلا اسے چپ چپ اور کبھی کبھی گم سم رہتی تھی۔ اگر اسے ملازمت نہیں ہو رہی تھی تو یہ اسٹیلا کی بے دلی کی علامت تھی۔ اور کسی بھی وقت دوبارہ بلا نوشی کی نوبت آسکتی تھی۔

"صاب جی۔۔۔ آپ کو شکار کھیلنے کا شوق نہیں ہے؟" وزیر خان نے اچانک کہا۔

بیری نے چونک کر سر اٹھایا "یہاں شکار ہے؟"

"ہر طرح کا شکار ہے صاب جی۔ لیکن میں تیتر کی بات کر رہا ہوں۔ کالا تیتر بہت ہے اس علاقے میں۔"

بیری نے سوالیہ نظروں سے سعید خان کو دیکھا۔ سعید خان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو کل چلتے ہیں شکار کو۔ گن تو ہے میرے پاس۔"

"ٹھیک ہے صاب جی۔ کل دس بجے ہم آجائیں گے۔"

اگلے روز وہ پوری تیاری کے ساتھ شکار کے لیے روانہ ہوئے۔ وزیر خان رہبری کر رہا تھا۔ اسٹیلا بھی ساتھ تھی۔ لیکن اس کے انداز سے عدم دلچسپی کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ صرف اس لیے ان کے ساتھ آگئی تھی کہ گھر پر اکیلے بور ہونے سے یہ بہتر تھا۔

وہ اس علاقے میں سفر کر رہے تھے جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بیری سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ اسٹیلا بھی اس علاقے کے حسن کو دل ہی دل میں سراہ رہی تھی۔ وہ لوگ کالج اور اس کے گرد و پیش تک محدود رہے تھے۔ انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ یہ علاقہ اس قدر خوب صورت ہے۔

ایک جگہ وزیر خان نے جیپ رکوا دی "اب آگے پیدل کا سفر ہے صاب جی۔ جیپ یہیں چھوڑنی ہوگی۔"

"لیکن پتا نہیں، ہماری واپسی کتنی دیر میں ہو" بیری نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔

"آپ جیپ کی فکر نہ کریں صاب، ہم لوگوں میں ہزار برائیاں ہوں گی۔ لیکن ہم چور نہیں ہیں" وزیر خان نے فخریہ لہجے میں کہا۔

وہ پیدل چل دیے۔ کوئی ایک میل چلے ہوں گے کہ اچانک انہیں احساس ہوا کہ وہ جنگل میں ہیں۔ وزیر خان اندر ہی اندر انہیں پہاڑی کے کنارے پر لے آیا۔ اب ان کے سامنے پہاڑی ڈھلوان تھی "ایسی جگہوں پر ہوتے ہیں تیتروں کے ٹھکانے" وزیر خان نے کہا "آپ فائر کے لیے تیار رہیں۔"

تین گھنٹے بعد وہ جنگل سے نکلے تو چھ تیتر شکار کر چکے تھے۔ جیپ وہیں موجود تھی جہاں انہوں نے اسے چھوڑا تھا۔

کالج پہنچ کر وزیر خان اور سعید خان تیتروں کی صفائی میں مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد پکانے کا مرحلہ تھا۔ وہ وزیر خان نے اپنے ذمے لے لیا۔ سعید خان محسوس کر رہا تھا کہ وزیر خان پورے دن چھایا رہا ہے۔ درحقیقت وہ وزیر خان کا ہی دن تھا۔ لیکن سعید خان یوں ہار ماننے والا نہیں تھا۔ وہ وزیر خان کو خود سے آگے نکلتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خاص طور پر اس لیے کہ وہ یہاں پہلے آیا تھا اور وزیر خان کو متعارف اس نے ہی کرایا تھا۔

"صاب جی۔۔۔ کل آپ مصروف تو نہیں؟" اس نے بیری سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"کل میں آپ کو ایک جگہ لے چلوں گا۔ آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ کس وقت چلنا ہے؟"

"دس بجے ٹھیک رہے گا۔"

وزیر خان کان لگا کر ان کی باتیں سن رہا تھا "یہ تو بتاؤ، کہاں چلیں گے؟"

"صاب جی، دریا پر چلیں گے۔ مچھلیاں پکڑیں گے۔"

بیری خوش ہو گیا "واہ۔۔۔ مچھلی کا تو بڑا شوق ہے مجھے" پھر وہ وزیر خان کی طرف مڑا "کیوں لڑکے، تم بھی چلو گے نا؟"

"کل مجھے ایک کام سے جانا ہے صاب جی ورنہ ضرور چلتا" وزیر خان نے سوچا سمجھا جواب دیا۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران ہی اس نے ایک جوا کھیلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہار میں اس کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ جیتنے کی صورت میں اسے ایک شاندار موقع ملتا قسمت آزمائی کا۔

تھوڑی دیر بعد اس کے داؤ کا فیصلہ ہو گیا۔ کھانے کے دوران بیری نے اسٹیلا کو اگلے روز کا پروگرام بتایا "ان تفریحات کا تو ہمیں خیال بھی نہیں آیا تھا" اس نے آخر میں کہا "یہ لڑکے ہم لوگوں کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئے ہیں۔"

"لیکن بیری، میں آج بہت تھک گئی ہوں۔ کل نہیں چل سکوں گی۔"

"چلو، کوئی بات نہیں۔ میں چلا جاؤں گا۔ اچھا لگا تو اگلی بار تمہیں بھی لے چلیں گے۔"

اس روز گھر واپس جاتے ہوئے سعید خان نے وزیر خان سے پوچھا "یہ تمہیں کیا کام نکل آیا؟"

"یار! کیا بات ہے۔ مجھے کوئی کام نہیں ہو سکتا" وزیر خان نے ہنستے ہوئے کہا "لیکن میں تمہاری پریشانی کی وجہ سے بھی واقف ہوں۔"

"ہونا بھی چاہیے" سعید خان نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے تو تمہیں چھوڑ کر جاتے ہوئے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔"

"تمہیں بھی نہیں ہونی چاہیے۔ میں اچھے برے کی تمیز بھی رکھتا ہوں اور مجھے برائی سے بچنا بھی آتا ہے۔"

وزیر خان کی تیوریاں چڑھ گئیں "سعید خان میں اچھے برے کی تم سے زیادہ تمیز رکھتا ہوں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ دوستی اپنی جگہ، میں تمہیں حد سے بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم بس اپنے کام سے کام رکھو۔ تم اپنے فائدے میں مجھے شریک نہیں کرتے تو میں شکایت بھی نہیں کرتا۔ لیکن اپنے فائدے کی ضرور سوچوں گا اور تم سے مدد بھی نہیں لوں گا۔"

اس کے بعد تمام راستے دونوں خاموش رہے۔

○☆○

وہ سعید خان کے لیے بے چینی کی رات تھی۔ وہ ٹھیک سے سو بھی نہیں سکا۔ صاب کو دریا پر لے جانے کی پیشکش اس نے خود کی تھی۔ اب وہ پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وزیر خان اس کے اور بیوی کے جانے کے بعد کالج ضرور جائے گا۔ وہ میم صاب کے لیے اس کی نظریں دیکھتا رہا تھا۔ وہ وزیر خان کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ پردیس میں کسی کے ساتھ چار سال گزار لیے جائیں تو کچھ چھپا نہیں رہتا۔ لاہور میں صرف اس کی وجہ سے وزیر خان آوارگی سے بچا رہا تھا۔ کئی بار لوگوں نے انہیں بازار لے جانے کی پیشکش کی تھی۔ لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے ایسے ہر موقع پر وزیر خان کی آنکھوں کو جلتے بجھتے دیکھا تھا، اس کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ چلا بھی گیا ہوتا۔

مگر اب معاملہ مختلف تھا۔ میم صاب کے معاملے میں وزیر خان کو پیسے کا لالچ بھی تھا۔ اور اس معاملے میں کوئی لحاظ نہیں چلتا تھا۔ سعید خان کو یہ احساس بھی تھا کہ اس معاملے میں اس سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔ پہلی غلطی تو یہ تھی کہ وہ اسے کالج لے آیا۔ دوسرے اس نے سو روپے کے جو دو اضافی نوٹ حاصل کیے تھے ان میں وزیر خان کا حصہ نہ لگانا بھی غلطی تھی۔ وزیر خان نے نوٹ دیکھ لیے تو آنکھوں میں ایسے ہی نوٹوں کے خواب بھی بسا لیے۔ پیچیدگی بڑھ گئی۔ سعید خان کو وزیر خان سے کئی خدشے تھے۔ وہ چالاک بھی تھا اور لالچی بھی۔ چالاک آدمی ویسے بھی غلطیاں کرتا ہے۔ اور لالچ تو اسے غلطی کا احساس بھی نہیں ہونے دیتا۔ پھر وہ گرم مزاج اور عجلت پسند بھی تھا۔ سعید خان جانتا تھا کہ اب وزیر خان کچھ بھی کر سکتا ہے۔

اگر بات صرف دوستی اور رشتے داری کی ہوتی تو سعید خان کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ سوچتا کہ اپنا معاملہ وہ جانے۔ لیکن یہاں مسئلہ بہت نازک تھا۔ یہ سعید خان کی بہن کے مستقبل کا سوال تھا۔ سعید خان یہ بھی جانتا تھا کہ یہ منگنی بہت پرانی ہے اور ریشم بھی وزیر خان کو بہت پسند کرتی ہے۔ وزیر خان کی کوئی لغزش ریشم کی زندگی برباد بھی کر سکتی تھی اور یہ سعید خان کو گوارا نہیں تھا۔

مگر فی الوقت وہ پریشان ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سو وہ رات بھر پریشان رہا۔ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکا۔ صبح وہ کالج جانے کے لیے نکلا تو جاتے ہوئے وزیر خان کے گھر بھی چلا گیا۔

"وہ صبح ہی کہیں چلا گیا ہے پتر" وزیر خان کی ماں نے بتایا "کہتا تھا، کام سے جا رہا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے اسے کوئی کام ہی ہو" سعید خان نے دل میں سوچا۔ لیکن تسلی نہیں ہوئی۔ اس کی پریشانی اپنی جگہ رہی۔

○☆○

ہنری سعید خان کے ساتھ مچھلی کے شکار کو چلا گیا تھا۔ اسٹیلا اکیلی تھی اور کئی دنوں کے بعد اسے تنہائی کا شدید احساس بھی ہو رہا تھا۔ پہلے وہ اکیلی ہوتی تھی تو سعید خان کا خیال اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کا تصور آنکھوں میں ہوتا تھا۔ مگر اب اس کے خیال سے تنہائی کا احساس اور سوا ہو رہا تھا۔ انا کا زخم ہرا ہو گیا تھا۔

اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس لیے اسے ڈپریشن زیادہ ہوتا ہے۔ مگر اب بہرحال اس کے پاس ایک کام تھا۔ اسے سعید خان کو جھکانے کے بارے میں سوچنا تھا۔ منصوبہ بنانا تھا اور اس پر عمل کرنا تھا۔

گھر میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ گھر میں رہنے میں یہ ڈر بھی تھا کہ وہ پینا شروع کر دے گی۔ چنانچہ وہ باہر نکلی اور باغ کی طرف چل دی۔ پھل دار درختوں میں پھول آ گئے تھے۔ وہاں سے وہ باغیچے میں چلی آئی۔ وہاں لڑکوں کی محنت رنگ لے آئی تھی۔ باغیچہ رنگا رنگ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ گھاس ذرا بڑی ہو گئی تھی۔ اسے چھٹائی کی ضرورت تھی۔

وہ گھاس پر بیٹھ گئی۔ وہ اس وقت بھی سعید خان کو جھکانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن اس نے اس بار فیصلہ کر لیا تھا کہ اس ہفتے وہ یہاں نہیں رکے گی۔ بلکہ ہنری کے ساتھ واپس جائے گی۔ شاید وہاں وہ بہتر طور پر سوچ سکے۔

قدموں کی آہٹ سے وہ چونکی۔ اس نے سر گھما کر دیکھا تو وزیر خان نظر آیا۔ اسے حیرت ہوئی۔ وزیر خان نے اسے دیکھا تو اس کی طرف چلا آیا "سلام میم صاب۔"

"تمہیں تو کوئی کام تھا وزیر خان؟" اسٹیلا نے نرم لہجے میں کہا۔

"جی میم صاب۔ لیکن کام جلدی ہو گیا تو میں نے سوچا، یہاں کا کام بھی کچھ کم کر لوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ کام کرو۔"

وزیر خان زیر تعمیر اصطبل کی طرف چلا گیا۔ جاتے ہی وہ کام پر یوں پل پڑا جیسے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کرنا چاہتا ہو۔ اور درحقیقت یہی اس کا منشا بھی تھا۔ کیونکہ کام کے علاوہ بھی اس کے ذہن میں کچھ تھا۔ مصروفیت ثابت کرنے کے لیے کم وقت میں زیادہ کام کرنا ضروری تھا۔

اسٹیلا اپنی سوچوں میں الجھی رہی۔ وہ سعید خان کو جھکانے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس پر ڈپریشن طاری ہونے لگا۔ اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور وہ دہری آگ میں جل رہی تھی۔ اسے سعید خان کو پانا بھی تھا اور اسے جھکانا، ذلیل کرنا بھی تھا۔ لیکن کیسے؟

باغیچے میں بیٹھے بیٹھے اس پر وحشت طاری ہونے لگی۔ وہ اٹھ کر کاٹیج میں چلی گئی۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی رہی۔ اس کا ڈپریشن بڑھتا گیا۔ بالآخر اس نے بوتل اور جام اٹھا لیا۔ تاہم اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اتنی نہیں پیے گی کہ آؤٹ ہو جائے۔

وزیر خان آیا تو وہ چوتھا جام پی رہی تھی۔ اس نے چونک کر وزیر خان کو دیکھا "تمہیں اب بھی نہیں معلوم ہوا کہ دروازہ ناک کر کے اندر آنا چاہیے" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"سوری میم صاب، آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"اچھا... بات کیا ہے؟"

"میں چائے بنا لوں میم صاب۔"

"بنا لو۔ پوچھنے کی کیا بات ہے۔"

"آپ کے لیے بھی بناؤں؟"

"نہیں۔ میں اپنی چائے پہلے ہی پی رہی ہوں" وہ تلخی سے ہنسی۔

وزیر خان کچن میں چلا گیا۔ ذرا دیر بعد وہ چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے نکلا۔ اسٹیلا نے اسے آواز دے لی "آؤ وزیر خان.... یہیں بیٹھ کر چائے پی لو۔"

وزیر خان نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ قالین پر نیم دراز تھی۔ اس کا چہرہ مے نوشی سے تمتما رہا تھا۔ گاؤن بے ترتیب ہو رہا تھا۔ وزیر خان کا دل بے ایمان ہونے لگا۔ وہ قالین پر اس کے سامنے جا بیٹھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"کیا بات ہے۔ مجھ سے ڈرتے ہو؟" اسٹیلا نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"جی یہی سمجھ لیں۔ ہمیں ڈرنا بھی چاہیے۔"

"تمہارا دوست تو نہیں ڈرتا۔"

"وہ بے وقوف ہے میم صاب جی۔"

اس وقت اسٹیلا کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ کچھ نشہ اور کچھ ڈپریشن۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس نے کسی کے سامنے دل کا بوجھ ہلکا نہ کیا تو مر جائے گی۔ جیسے اندر کوئی دھماکا ہو گا اور وہ پھٹ جائے گی "تم مجھ سے مت ڈرو وزیر خان" اس نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کہتی ہیں تو نہیں ڈروں گا جی" وزیر خان نے سادگی سے کہا۔

"مجھے اس وقت کسی دوست، کسی ہمدرد کی ضرورت ہے۔"

"میں حاضر ہوں میم صاب جی" اس بار وزیر خان کے لہجے میں اعتماد تھا۔ اسے خوشی ہو رہی تھی کہ یہ دن رائگاں نہیں جا رہا ہے۔

"میرا دکھ کوئی نہیں سمجھتا" اسٹیلا نشے کے عالم میں بڑبڑائی۔ اس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

"میں آپ کا دکھ سمجھتا ہوں۔"

اسٹیلا نے چونک کر اسے دیکھا "تم کیسے سمجھ سکتے ہو میرا دکھ؟" اس نے وزیر خان کے چہرے کے پاس انگلی لہراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں میم صاب" وزیر خان نے بھرپور اعتماد سے کہا۔

"کیا سمجھتے ہو؟"

"آپ کا دکھ سعید خان ہے جی۔"

اسٹیلا سناٹے میں آ گئی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اسے لفظ نہیں ملے۔ بس ہونٹ تھرتھرا کر رہ گئے۔

"اور میم صاب جی، آپ کے دکھ کا علاج بھی ہے میرے پاس۔"

"وہ کیسے؟"

"اس وقت تو بات نہیں ہو سکتی۔ صاب کسی بھی وقت واپس آ جائیں گے۔ فرصت میں بات کروں گا جی۔"

"پھر بھی... مجھے یقین نہیں آتا۔ تم میرے دکھ کا علاج کیسے کر سکتے ہو؟"

"ایسے..." وزیر خان نے کہا اور اچانک ہی اس کا ایک ہاتھ تھام لیا۔ وہ دلاسا دینے والے انداز میں اسے تھپتھپاتا رہا۔ پھر سہلانے لگا۔ اب اس کی اپنی انگلیوں میں لرزش بھی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ اسٹیلا تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔

پھر اچانک وزیر خان نے اپنا چہرہ جھکایا اور اسٹیلا کے ہاتھ کو دیوانہ وار چومنے لگا۔

"یہ تم میرے دکھ کا علاج کر رہے ہو؟" اسٹیلا نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ اس طرح آپ کے دکھ کا علاج ہو سکتا ہے" وزیر خان نے عاجزی سے جواب دیا۔

"میری سمجھ میں تمہاری بات بالکل نہیں آ رہی ہے۔"

"اور میں کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کو فرصت سے بتاؤں گا جب کسی کے آنے جانے کا دھڑکا نہیں ہو گا۔"

"اور میں اتنا سمجھ گئی ہوں کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو۔"

"یہ تو آپ کو پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا میم صاب۔ میں نے یہ بات چھپائی ہی کب تھی۔ لیکن جہاں تک آپ کے دکھ کے علاج کا تعلق ہے تو وہ میں آپ کو کل بتاؤں گا۔ ایسے وقت جب یہاں کوئی نہیں ہو گا۔"

"لیکن کل میں یہاں نہیں ہوں گی۔ اس بار میں ہنری کے ساتھ واپس جا رہی ہوں۔"

"آپ کی مرضی میم صاب۔ بعد میں کبھی سہی، جب موقع ملے۔ بہرحال فائدہ آپ کا ہی ہے۔"

اسٹیلا کا واپس جانے کا ارادہ متزلزل ہو گیا۔ وہ اس سلسلے پر

جلد سے جلد حل کرنا چاہتی تھی "تم اچھے لڑکے ہو وزیر خان" اس نے کہا "لیکن تمہارا اس میں کیا مفاد ہے؟"

"آپ کے دکھ کے علاج میں میرے دکھ کا علاج بھی ہے میم صاب۔"

اسٹیلا اس کا مطلب بغیر کسی ابہام کے سمجھ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے پوچھ لیا "تم مجھ پر یہ عنایت کیوں کر رہے ہو؟ تم کیا چاہتے ہو مجھ سے۔"

"زمین خریدنے کے لئے کچھ رقم" وزیر خان نے بلا جھجک کہا۔ پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا "اور..... اور آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔"

"مگر پہلے تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تم صرف لفظوں سے نہیں کھیل رہے ہو۔"

"مجھے یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں" وزیر خان نے بے رخی سے کہا "آپ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ میں آپ کے کام آسکتا ہوں یا نہیں۔"

اسٹیلا کے تیور اور لہجہ سب کچھ بدل گیا "میں جانتی ہوں ڈارلنگ۔ تم میرے کام آسکتے ہو۔ لیکن....."

وزیر خان نے بھانپ لیا کہ وار کامیاب رہا ہے۔ پھر بھی احتیاطاً اس نے آزمائش کر ڈالی "تو پھر بہانہ نکالیں" اس نے کہا اور اسٹیلا کے پوچھنے پر بہانے کی وضاحت بھی کی۔ وہ اسٹیلا کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ اسٹیلا بھی ایکسائیٹڈ ہو گئی "مسٹو ڈارلنگ..... ذرا میرے لئے شراب انڈیلو جام میں۔"

وزیر خان نے جام بھر کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اسٹیلا نے جام سے چھوٹا سا ایک گھونٹ لیا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "چلو ٹھیک ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو مجھے پیار کرلو۔ مگر صرف ایک بار۔ بس اتنی ہی اجازت دے رہی ہوں میں۔"

وزیر خان کو پہلے تو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ پھر اس نے اسٹیلا کو بانہوں میں بھر لیا۔ لمحوں میں اس پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔ اس کے ہاتھ بے قابو ہونے لگے تو اسٹیلا نے اسے پرے دھکیل دیا "چلو..... بس اب جاؤ اور اپنا کام کرو" وہ بولی "بیری آنے ہی والا ہوگا۔"

○☆○

بیری رچرڈسن اور سعید خان شام چار بجے واپس آگئے۔ بیری بہت خوش نظر آرہا تھا۔ سعید خان آتے ہی مچھلیوں کی صفائی اور انہیں فرائی کرنے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ پہلے بیری کو ہی پتا چلا کہ وزیر خان آیا تھا اور کام میں مصروف ہے۔ وہ اصطبل کی طرف چلا گیا۔ وزیر خان نے جتنا کام نمٹایا تھا' اسے دیکھ کر بیری متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ویسے بھی وہ لڑکوں کی محنت اور خلوص کا قائل ہو چکا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ کاٹیج میں لے آیا "چلو بیٹھو۔ اب مچھلی کھانا" اس نے کہا۔

"سعید خان کہاں ہے؟" وزیر خان نے پوچھا۔

"کچن میں مچھلی فرائی کر رہا ہے۔"

"میں اس کا ہاتھ بٹاتا ہوں صاب جی۔"

وزیر خان کچن میں چلا گیا۔ سعید خان نے ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا "تمہارا کام تو ہوگیا نا؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ہوگیا۔ کیوں نہ ہوتا۔"

"تمہارے جاتے ہی تم یہاں چلے آئے ہوگے۔"

"تمہارے جاتے ہی نہیں' اپنا کام ہوتے ہی میں یہاں چلا آیا۔"

"تب تو تم نے بہت کام کرلیا ہوگا؟" سعید خان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"خود ہی چل کر دیکھ لینا" وزیر خان نے بے پروائی سے کہا۔

پانچ بجے مچھلی تیار ہوگئی۔ بیری اور اسٹیلا نے ساتھ بیٹھ کر مچھلی کھائی۔ وہ پی بھی رہے تھے۔ سعید خان اور وزیر خان نے الگ بیٹھ کر مچھلی کھائی۔ چھ بجے بیری واپسی کی تیاری کرنے لگا "اب تم لوگ چھٹی کرو" اس نے روانہ ہوتے وقت ان دونوں سے کہا "اور ہاں..... تمہارے خیال میں اصطبل کب مکمل ہوجائے گا؟"

"زیادہ سے زیادہ پرسوں تک" وزیر خان نے جواب دیا۔

"تو اصطبل مکمل ہوتے ہی تم دونوں ایبٹ آباد میرے پاس آجانا" بیری نے کہا "وہاں سے دونوں گھوڑوں کو لے آنا۔"

"جی بہتر صاب جی۔"

"پھر میم صاب کو گھڑسواری سکھانی ہوگی۔"

"آپ بے فکر رہیں صاب جی۔"

"اور ہاں' تم دونوں میم صاحب کا خیال رکھنا۔"

"آپ فکر نہ کریں صاب جی" اس بار دونوں نے بیک آواز جواب دیا۔

بیری کے ساتھ ہی وہ کاٹیج سے نکل آئے۔ بیری کو رخصت کرنے کے بعد سعید خان اپنی سائیکل کی طرف گیا۔ وہ باہر جانے کے لئے سائیکل موڑ ہی رہا تھا کہ وزیر خان نے اسے ٹوک دیا "چل کر یہ تو دیکھ لو کہ کام کہاں تک پہنچ گیا ہے۔"

سعید خان نے سائیکل کو اسٹینڈ پر کھڑا کیا اور وزیر خان کے ساتھ زیر تعمیر اصطبل کی طرف چلا گیا۔ کام دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی اور پشیمانی بھی۔ وزیر خان نے تقریباً اتنا ہی کام کیا تھا' جتنا پورے دن میں کیا جاسکتا ہے "واہ یارا..... تم نے تو زبردست کام کیا ہے؟" اس نے ستائشی لہجے میں کہا۔

"شکر ہے۔ ورنہ تم تو جانے کیا سمجھ رہے تھے۔"

سعید خان نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ وہ بھی جانتا تھا اور وزیر خان کو بھی معلوم تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے اور یہ بھی نہیں تھا کہ وہ غلط سوچ رہا ہو۔ البتہ وہ یہ خواہش ضرور کر رہا تھا کہ کاش اس کی سوچ غلط ہو "آؤ یارا گھر چلیں" اس نے گہری سانس لے کر کہا "باقی باتیں راستے میں کریں گے۔"

دونوں دوست گھر کی طرف چل دیے۔ اس روز وہ سائیکل پر نہیں' پیدل جا رہے تھے۔ ذرا دیر خاموشی رہی۔ پھر سعید خان نے کہا "وزیر خان' میں چاہتا ہوں کہ اس نوکری میں ہم اپنا اصل مقصد سامنے رکھیں اور کسی چکر میں نہ پڑیں۔ یہ انگریز بڑے چالاک اور مطلبی ہوتے ہیں۔"

"یہ میں بھی جانتا ہوں" وزیر خان نے کہا "لیکن یہ لوگ ایسے نہیں لگتے۔"

"صاب تو اچھا ہی لگتا ہے۔ لیکن میم بڑی مکار ہے۔"

"مجھے تو نہیں لگتا۔"

"تمہارا واسطہ ہی کہاں پڑا ہے اس سے۔ میں جانتا ہوں اور تمہیں بتا رہا ہوں۔"

وزیر خان دل ہی دل میں ہنس دیا۔ وہ سعید خان کی بات کی یقینی طور پر تردید کرسکتا تھا۔ اس لئے کہ میم کی سمجھ میں خود وہ بات نہیں آئی تھی' جو وہ اب اسے سمجھانے جا رہا تھا۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ انگریز مکار نہیں ہوتے۔ ہم ایسی لوگ اپنے مطلب' اپنے مفاد کے لئے انہیں مکاری سکھاتے ہیں "یارا جی' سچ یہ ہے کہ مجھے تو اس میم میں کوئی مکاری نظر نہیں آئی" اس نے کہا "ورنہ تم اسے بے وقوف بنا کر اپنا الو کیسے سیدھا کرتے۔"

"یارا جی' تم غلط سمجھ رہے ہو مجھے۔ وہ میم بدکردار ہے" سعید خان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر اس سے اس کی مکاری تو ثابت نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ مکار تو میں ہوں۔"

"کچھ بھی سہی۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم بھی اپنا الو سیدھا کرو۔ بس اس کے فریب میں نہ آنا۔"

"یارا' تم میری اتنی فکر کیوں کرتے ہو؟" وزیر خان نے چڑ کر کہا۔

"تم جانتے ہو کہ کیوں کرتا ہوں۔"

اس کے بعد تمام راستے خاموشی رہی۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے رہے۔

○☆○

اسٹیلا رچرڈسن سو رہی تھی۔ وہ شاید خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ کاٹیج میں تھی اور کوئی دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دستک زیادہ زور کی نہیں تھی۔ لیکن اتنی دھیمی بھی نہیں تھی کہ وہ اسے سن نہ پاتی۔ وہ دروازہ کھولنے کے لئے اٹھنا چاہتی تھی۔ لیکن اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔

پھر دستک کی آواز تیز ہوگئی۔ جیسے آنے والا دروازہ نہ کھلنے پر مایوس ہوا ہو۔ مگر واپس بھی نہیں جانا چاہ رہا ہو۔ اسٹیلا کسمساتی رہی۔ پھر اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحے وہ یونہی لیٹی رہی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ دستک خواب میں نہیں' واقعتاً ہو رہی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ کچھ خوف زدہ ہوگئی۔ اس نے روشنی کی اور پھر گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے دس بج چکے تھے۔ اتنی رات کو

"کوئی زمانہ تھا کہ میں بہت خوب صورت ہوا کرتا تھا۔ میرے بال گھنے' ریشمی اور چمکیلے تھے۔ میری جلد ریشم کی طرح ملائم اور گلاب کی طرح سرخی مائل تھی۔ میرے ہونٹ گلابی تھے۔ آنکھیں چمکیلی اور شگفتہ تھیں۔ افسوس کہ اس وقت میں صرف چار سال کا تھا۔"

کون آسکتا ہے؟ کہیں بیری تو نہیں واپس آگیا۔

وہ اٹھی اور اس نے گاؤن پہن لیا۔ پھر اس نے دراز میں سے پستول نکال کر ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں چلی آئی "کون ہے؟" اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا "میں ہوں میم صاب جی۔"

اسٹیلا کا دل دھڑکنے لگا۔ سعید خان..... "میں نے نام پوچھا ہے تمہارا؟" اس نے بے رخی سے کہا۔

"میں وزیر خان ہوں میم صاب۔"

"اتنی رات کو کیوں آئے ہو؟"

"آپ کے دکھ کا علاج کرنے۔"

"یہ کیا بکواس ہے" اسٹیلا جھنجلا گئی۔

"حالانکہ آپ اسی کے لئے رکی ہیں ورنہ تو آپ واپس جا رہی تھیں۔"

اسٹیلا کے نیند میں ڈوبے ہوئے ذہن کو اس بات سے جھٹکا سا لگا۔ اسے وہ پوری بات یاد آگئی۔ وزیر خان کا کہا ہوا ایک ایک لفظ یاد آگیا "لیکن یہ کون سا وقت ہے آنے کا؟" اس نے برہمی سے کہا "کل دن میں بات کریں گے۔"

"کل تو سعید خان بھی موجود ہوگا میم صاب۔"

"میں اسے کہیں بھیج دوں گی..... کسی کام سے۔"

"پھر بھی اس کے آنے کا دھڑکا تو لگا رہے گا۔"

"کچھ بھی ہو' اس وقت تو تمہیں واپس جانا ہوگا۔ میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔"

"میم صاب جی....." وزیر خان گڑگڑانے لگا۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔"

"ٹھیک ہے میم صاب۔ پھر آپ بھول جائیں کہ میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔ اس میں صرف میرا نہیں' آپ کا فائدہ بھی ہے۔ بلکہ آپ کا زیادہ فائدہ ہے۔"

اسٹیلا سوچ میں پڑ گئی۔ اسے یاد آگیا کہ سعید خان نے اس کی نسوانی انا کو ٹھیس پہنچائی ہے' اس کی توہین کی ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس کے دل سے نہیں اترا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ کرنا ہے۔ اگر یہ وزیر خان اس سلسلے میں کچھ کرسکتا ہے تو اس سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

"میں جاؤں میم صاب.....؟"

اسٹیلا نے دروازہ کھول دیا۔ پستول والا ہاتھ اس نے سامنے ہی رکھا تھا "چلو آجاؤ۔" اس نے کہا "میں تمہیں چند منٹ ہی دے سکتی ہوں۔"

"ہرج نہیں۔ بعد میں بھی کرلیں گے یہ بات" وزیر خان کے لہجے میں بے نیازی آگئی۔

"کیا چاہتے ہو تو آجاؤ" اسٹیلا نے بے زاری سے کہا۔

وزیر خان تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وضاحت کا راستہ ہی مناسب رہے گا۔ وہ اندر چلا گیا۔ اسٹیلا اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ اس نے لائٹ آن کی اور وزیر خان کو قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ خود جاکر بوتل اور جام اٹھا لائی "ہاں۔ اب کہو۔ کیا بات ہے" اس نے اپنے لئے جام بناتے ہوئے کہا۔

"بات تو وہی ہے میم صاحب۔ آپ سعید خان کو اپنے اشاروں پر نچانا چاہتی ہیں نا؟"

اسٹیلا چند لمحے ہچکچائی۔ اسے احساس تھا کہ سعید خان اور وزیر خان ہم قوم، ہم وطن ہی نہیں، آپس میں رشتے دار بھی ہیں۔ اور وہ ان کے لئے ہر اعتبار سے غیر ہے۔ تو کیا ان میں سے کوئی اس کے لئے دوسرے کے خلاف ہو سکتا ہے۔ عقلی طور پر تو یہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن بیری نے جو کچھ بتایا تھا، اس کے مطابق یہاں انگریزوں کی حکومت ہی مقامی لوگوں کے تعاون سے چل رہی تھی۔ وہ بہ آسانی ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ اور اس معاملے میں تو وزیر خان یہ بھی بتا چکا تھا کہ اس کا اپنا مفاد کیا ہے۔ چنانچہ اسٹیلا نے تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد کہا "تم جانتے تو ہو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ اب کام کی بات کرو۔"

"میرے ذریعے آپ سعید خان کو اپنا غلام بنا سکتی ہیں" وزیر خان نے کہا۔

"مجھ سے صاف صاف بات کرو۔"

"آپ جانتی ہیں، میرے اور سعید خان کے درمیان کیا رشتہ ہے؟"

"ہاں۔ تم لوگ کزن ہو نا۔"

"بات صرف اتنی ہی نہیں۔ اس کی بہن سے میری شادی ہونے والی ہے" وزیر خان نے بتایا۔

"اوہ۔ تم نے بتایا تو تھا۔ لیکن مجھے یہ بات یاد نہیں رہی تھی۔"

"آپ شاید اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتیں۔"

اچانک اسٹیلا کی سمجھ میں سب کچھ آگیا۔ وہ جان گئی کہ وزیر خان اسے کیا آفر کر رہا ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہوگا۔ وزیر خان کو کیا چاہئے، یہ وہ پہلے ہی بتا چکا تھا۔ اسٹیلا جانتی تھی کہ وہ سودے بازی کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ کوشش تو کر سکتی تھی۔ اس نے کہا "ذرا پھر دہرادو کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اس کے عوض۔"

"زمین خریدنے کے لئے کچھ رقم اور آپ کی قربت۔"

"دیکھو وزیر خان" اسٹیلا نے جام خالی کیا اور اسے دوبارہ بھر لیا "رقم تو میں تمہیں دے سکتی ہوں۔ لیکن دوسری شرط مجھے قبول نہیں" وہ کہتے کہتے رکی۔ پھر اس نے وضاحت کی "دیکھو، یہ دل کا سودا ہوتا ہے۔ یہ کوئی سامانِ تجارت تو نہیں۔" وہ وزیر خان کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے مایوسی بھانپ کر اس نے اسے دلاسا دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے "ہاں یہ ناممکن بھی نہیں۔ ممکن ہے کچھ دن ساتھ رہو تو تم مجھے اچھے لگنے لگو۔ اب مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تمہارے ذہن میں کیا ہے" یوں اس نے وزیر خان کو اصرار کرنے سے بھی روک دیا۔

وزیر خان نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا "مجھے آپ کے قریب اور آپ سے بے تکلف دیکھنے سے بچنے کے لئے سعید خان کچھ بھی کرسکتا ہے۔ وہ آپ کے قدموں میں آگرے گا۔"

"ہوں۔ بات تو سمجھ میں آتی ہے" اسٹیلا نے سرہلا کر کہا "لیکن وہ کچھ اور بھی تو کرسکتا ہے۔ میں نے سنا ہے، تم لوگ خطرناک ہوتے ہو۔"

"وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا" وزیر خان نے بڑے یقین سے کہا۔

"آپ کے خیال میں کیا کرسکتا ہے وہ؟"

"وہ میری یا تمہاری جان بھی تو لے سکتا ہے۔"

"آپ کے بارے میں وہ ایسا اس لئے نہیں سوچ سکتا کہ آپ لوگ حاکم ہیں۔ اور میرے بارے میں اس لئے کہ میں اس کا بہنوئی ہوں۔ اس کے سامنے اس کے سوا کوئی اور راستہ ہی نہیں کہ وہ آپ کے سامنے سر جھکا دے۔"

"اور جو وہ تم سے یہ رشتہ ختم کرلے تو؟" اسٹیلا نے پُرخیال لہجے میں کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔ میں خوب جانتا ہوں اسے۔"

اسٹیلا نے دوسرا جام خالی کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی "تم یہیں رکو۔ میں ابھی آتی ہوں" یہ کہہ کر وہ اوپر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ وہاں سے آئی تو اس کے ہاتھ میں سو کا ایک نوٹ تھا۔ وہ نوٹ اس نے وزیر خان کی طرف بڑھایا "یہ لو اور اب تم جاؤ۔"

"بس؟"

"بہت زیادہ امید نہ رکھنا مجھ سے۔ میں اپنا کام کسی اور طرح بھی نکال سکتی ہوں۔"

"میرا اشارہ رقم کی طرف نہیں تھا۔ میں نے کچھ اور بھی طلب کیا ہے آپ سے۔"

"اوہ۔ اور میں نے اس کا جواب بھی تمہیں دے دیا تھا۔ ابھی تو نہیں۔ ہاں، ممکن ہے بعد میں......"

وزیر خان چند لمحے اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ میں موجود نوٹ دیکھا "ٹھیک ہے میم صاحب، میں انتظار کرلوں گا۔ لیکن میں بتادوں کہ اس کے بغیر بات بننے کی بھی نہیں۔"

"دیکھیں گے۔ اب تم جاؤ۔"

○☆○

اگلے روز دونوں لڑکے تن دہی سے کام میں لگے رہے۔ اسٹیلا نے بھی ان میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اب کام مکمل کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور ہوا بھی یہی۔ رات کو وہ گھر واپس گئے تو اصطبل مکمل ہو چکا تھا۔

"کل ہم بھوسا چارا لائیں گے" وزیر خان نے اسٹیلا سے کہا "اور پھر گھوڑے لانے کے لئے ایبٹ آباد چلے جائیں گے۔"

"جو چاہو کرو۔ یہ تمہارا دردِ سر ہے" اسٹیلا نے بے زاری سے کہا۔

بظاہر تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن سعید خان محسوس کر رہا تھا کہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے۔ وزیر خان کا انداز بدلا بدلا تھا۔ اس نے میم سے جتنی بار بھی بات کی تھی اس کے لہجے اور انداز میں بے پناہ اعتماد تھا۔ یہی نہیں، اس کی نگاہوں میں بھی بے باکی تھی۔ اور میم کا انداز مدافعانہ تھا۔ سعید خان تمام وقت یہی سوچتا رہا کہ کہیں ان دونوں کے درمیان کچھ طے تو نہیں پاگیا ہے۔

اگلے روز انہوں نے اصطبل کو ہر اعتبار سے مکمل کرلیا۔ دانے پانی کا بھی بندوبست ہوگیا۔ پھر وہ ایبٹ آباد کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہاں انہیں صاحب سے ملنا اور گھوڑوں کو لے کر کاٹیج واپس آنا تھا۔ وہ منگل کا دن تھا۔

وہ سہ پہر کے وقت ایبٹ آباد پہنچے اور بیری رچرڈسن سے ملے۔ بیری نے انہیں ان کے کام کی اجرت بھی دی اور دونوں گھوڑے ان کے حوالے کردیے۔ گھوڑے سدھے ہوئے تھے۔ لہٰذا انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ واپسی کے سفر میں سعید خان بہت خوش تھا۔ اب وہ زمین کا خواب پورا کرسکتا تھا۔

وہ گھوڑے لے کر کاٹیج پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا۔ سعید خان کو گھر جانے کی بے تابی تھی۔ گھوڑوں کو اصطبل میں پہنچاتے ہی اس نے کہا "وزیر خان، اب گھر چلیں؟"

وزیر خان نے حیرت سے اسے دیکھا "گھر چلنے میں تھوڑی دیر لگے گی یارا۔ گھوڑوں کی تمام ضرورتیں پوری کردیں۔ گھوڑوں کو ذرا مانوس ہونے کا وقت مل جائے......"

"یہ تمہارا دردِ سر ہے۔ میں تو چلا یارا۔"

وزیر خان کو حیرت ہونے لگی۔ سعید خان یوں اسے اکیلا چھوڑ کر چلا جائے......!

"میں چلتا ہوں۔ تم آتے رہنا۔"

وزیر خان چند لمحے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر اپنے کام میں لگ گیا۔

اس روز گھر جاتے ہوئے سعید خان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اب اس کے پاس اتنی رقم جمع ہو چکی تھی کہ وہ بہت کافی زمین خرید سکتا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کرکے چلا تھا کہ آج پوری رقم بابا کے ہاتھ پر رکھ دے گا۔ پھر زمین بابا آپ ہی خریدیں گے۔

ادھر اصطبل میں کام کرتے ہوئے وزیر خان بھی اسٹیلا ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اور اسٹیلا ایک مشکل سے دوچار تھی۔ خیال ہے بے حد امید تھا کہ اب وہ وزیر خان سے گھڑسواری سیکھنے کے بہانے سعید خان پر پہلی ضرب لگا سکے گی اور جلد ہی سعید خان اس کی مٹھی میں ہوگا۔ اپنی خوشی میں وہ ان دونوں کی تبدیلی بھی محسوس نہ کرسکی۔ وزیر خان بھی تھوڑی دیر بعد رخصت ہوگیا تھا۔

○☆○

ان دونوں کے درمیان تقسیم کار طے شدہ ہوگئی تھی۔ اصطبل کا کام وزیر خان کے ذمے تھا۔ باقی سب کچھ سعید خان کو کرنا تھا۔ یہ احساس سعید خان کو ذرا دیر میں ہوا کہ وزیر خان کی ایک اور ڈیوٹی بھی ہے۔ میم صاحب کو گھڑسواری سکھانا۔ اور اس سے وہ بہت دل سے خوش ہوتا تھا اور نظر آتا تھا۔ سعید خان کے لئے یہ بات تشویشناک تھی۔ سعید خان پریشان تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ابھی صورت حال جتنی خراب ہے، آگے جاکر اس سے کہیں خراب ہوگی۔ اس کا اندازہ اسے پہلے ہی دن ہوگیا تھا۔ اس روز وزیر خان میم کے لئے گھوڑا نکال کر لایا تھا۔ پہلے تو وہ میم کو سمجھاتا رہا "میم صاحب، پہلا مرحلہ گھوڑے کو خود سے مانوس کرنے کا ہوتا ہے" وہ کہہ رہا تھا "یہ صرف محبت سے ممکن ہے۔ سرکش سے سرکش گھوڑے کو بھی رام کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ سدھے ہوئے گھوڑے ہیں۔ مسئلہ نہیں بنیں گے۔ آپ اسے چمکاریں۔ اس کی گردن سہلائیں، تھپتھپائیں، بس یہ تھوڑی دیر میں آپ سے رشتہ جوڑ لے گا۔ آپ کا غلام ہو جائے گا۔"

یہ گفتگو سنتے ہوئے سعید خان چونک اٹھا۔ وزیر خان کے لہجے میں عجیب سی لگاوٹ تھی۔ لگتا تھا گھوڑے کے متعلق نہیں، وہ اپنے بارے میں کہہ رہا ہے۔ سعید خان نے اسٹیلا کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے بہت قریب نہیں تھی۔ پھر بھی اس کے چہرے پر ہلکی سی تمتماہٹ واضح طور پر نظر آرہی تھی۔ ایسے میں سعید خان کا پریشان ہو جانا فطری تھا۔ وہ پریشانی بھی دوررس والی تھی۔ وزیر خان کے لہجے اور انداز نے اس کے خدشے کی تصدیق کردی تھی کہ وہ اسٹیلا کے چکر میں ہے۔ دوسری طرف اسٹیلا کے لئے وزیر خان کا لگاوٹ دینا کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

"... اب آپ اسے چمکاریں۔ پیار سے اس کی گردن اور کمر سہلائیں" وزیر خان کہہ رہا تھا۔

اسٹیلا نے ہچکچاتے ہوئے ہاتھ بڑھایا اور گھوڑے کی گردن سہلانے لگی۔ ساتھ ہی وہ اسے چمکار بھی رہی تھی۔ گھوڑا کچھ دیر سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے ہنہنانے لگا۔ جیسے شناسائی کا اظہار کر رہا ہو "دیکھیں، اتنی سی دیر میں کیسے مانوس ہوگیا ہے" وزیر خان نے کہا۔

اسٹیلا خوش بھی نظر آرہی تھی اور حیران بھی۔ وہ اب بھی

گھوڑے کو سہلا اور چمکار رہی تھی۔

"اب آپ گھوڑے پر سوار ہوں۔" وزیر خان نے کہا۔

"کیسے؟"

"یہ... یہاں پاؤں رکھیں اور..."

اسٹیلا ہچکچا رہی تھی۔ وہ خوف زدہ بھی تھی۔ وزیر خان نے اسے عملی مظاہرہ کرکے دکھایا۔ "لیکن میں گر جاؤں گی۔" اسٹیلا نے کہا۔

"میں آپ کو سنبھالنے کے لئے کھڑا ہوں۔ میں گرنے نہیں دوں گا آپ کو۔"

اسٹیلا نے پاؤں جما کر رکھا۔ لیکن توازن بگڑ گیا۔ وزیر خان نے پھرتی سے اس کی کمر تھامی اور سہارا دے کر اسے گھوڑے پر سوار کرا دیا۔ یہ دیکھ کر سعید خان کو وحشت ہونے لگی کہ وزیر خان کا ہاتھ خطرناک حد تک میم صاحب کی کمر سے لپٹا تھا۔

گھوڑے کی لگام وزیر خان کے ہاتھ میں تھی اور اسٹیلا ڈرتے ڈرتے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھی تھی۔ وزیر خان زبانی طور پر اسے سمجھا رہا تھا کہ گھوڑے کو کس طرح کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ "بس تم لگام نہ چھوڑنا۔" اسٹیلا گھبرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"آپ بے فکر رہیں میم صاب۔"

وہ گھوڑے کی لگام پکڑے چل رہا تھا۔

دو تین دن میں میم صاب میں اتنا اعتماد آ گیا تھا کہ اب وزیر خان کے لئے لگام پکڑنا ضروری نہیں تھا۔ لیکن وہ کبھی دور نہیں جاتے تھے۔ بہرحال جتنا کچھ بھی تھا، سعید خان کے لئے تو وہ بھی سوہانِ روح بن گیا تھا۔ وہ اس دن کو کوستا تھا، جب وہ وزیر خان کو یہاں لایا تھا۔ اس روز وزیر خان نے اسٹیلا سے کہا "اب تو آپ دور چل سکتی ہیں۔ اب میں آپ کو ایسی ایسی جگہیں دکھاؤں گا کہ آپ خوش ہو جائیں گی۔"

"نہیں ابھی نہیں۔ ابھی میں دور نہیں جا سکتی۔ ایسا کرو، آج تم میرے ساتھ بیٹھو اور گھوڑا دوڑا کر دکھاؤ۔"

باغیچے میں کام کرتے ہوئے سعید خان نے منہ پھیر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ منظر اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگا۔ گھوڑے کی دور جاتی ٹاپوں کی آواز سن کر اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ دونوں ایک ہی معلوم ہو رہے تھے۔ سعید خان نے کھرپی ایک طرف رکھی اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

وہ جانتا تھا کہ اب وزیر خان سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔ جس حد تک ممکن تھا، اس سے زیادہ وہ اسے پہلے ہی سمجھا چکا تھا۔ اب تو بات بالکل ہی بگڑ جاتی۔ اور یہ اسے گوارا نہیں تھا۔ اس وقت تک بھی ان کے درمیان اتنا کھنچاؤ پیدا ہو چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے بات کم ہی کرتے تھے۔

وہ سعید خان کے لئے ایک سخت دن ثابت ہوا تھا۔ لیکن اس کا انجام بے حد خوش گوار تھا۔ اس روز وہ گھر پہنچا تو بابا نے اسے خوش خبری سنائی۔ وہ زمین دار بن چکے تھے۔

○☆○

اسٹیلا کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تدبیر کارگر ثابت ہو رہی ہے۔ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام والی بات تھی۔ ایک طرف تو رائیڈنگ سیکھنا پُرلطف ثابت ہو رہا تھا۔ دوسری طرف وہ سعید خان کے ردعمل پر بھی نظر رکھے ہوئے تھی۔ اور وہ بے حد حوصلہ افزا تھا۔ اب تک تو وہ صرف اسٹڈی کرتی رہی تھی۔ مگر اب اسے بات کو آگے بڑھانا تھا۔ وہ سست رفتاری سے بڑھنے والے معاملات پر اکتفا نہیں کر سکتی تھی۔ اب اسے جو قدم بھی آگے بڑھانا تھا، سوچ سمجھ کر بڑھانا تھا۔

اسی دوران اس نے سعید خان کو نظرانداز کرنے کی عادت ڈال لی تھی۔ وہ اس سے صرف اس وقت بات کرتی، جب ضروری ہوتا۔ سعید خان پر اس کا ردعمل یہ ہوا تھا کہ وہ اپنے آپ میں سمٹ گیا تھا۔ اس کے سوا اس پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔ اس بات سے اسٹیلا کو خوشی ہوئی تھی۔ اس کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا تھا کہ سعید خان آپے سے باہر ہونے والا آدمی نہیں۔ وہ اپنی اوقات جانتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس وزیر خان کم ظرف آدمی تھا۔ وہ ایسا شخص تھا، جسے انگلی پکڑنے کا موقع دیا جائے تو وہ پہنچا پکڑ لے۔ مگر سعید خان ایسا نہیں تھا۔ ہاں وزیر خان کو اس کے قریب دیکھ کر... بلکہ اسے وزیر خان کے قریب دیکھ کر اس کے تیور بدل جاتے تھے۔ ایسے موقعوں پر اسٹیلا سعید خان کو بہت غور سے دیکھتی رہی تھی۔ وزیر خان جب اسے کمر سے تھام کر گھوڑے پر بٹھاتا تو سعید خان منہ پھیر لیتا۔ اور جب وہ گھوڑے پر اس کے ساتھ بیٹھا تھا تو لگتا تھا کہ سعید خان پر قیامت گزر گئی ہے۔

لیکن اسٹیلا رچرڈسن کے لئے یہ بات بھی آگ لگانے والی تھی۔ اس لئے کہ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ سعید خان کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کے نظرانداز کرنے کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ اور جو وہ اس کی اور وزیر خان کی قربت سے چڑتا تھا تو اس کی وجہ بھی رقابت نہیں تھی۔ رقابت ہوتی تو وہ اسٹیلا کے لئے باعثِ طمانیت ہوتی۔ سعید خان اس بات سے صرف اس لئے چڑ رہا تھا کہ وزیر خان اس کی بہن کا منگیتر تھا۔ یہ بات اسٹیلا کو اور توہین کا احساس دلا رہی تھی۔ اسٹیلا کا غصہ اور مہمیز ہو گیا تھا۔ توہین کا بدلہ لینے کی خواہش اور شدید ہو گئی تھی۔

بہرکیف اب اسٹیلا نے بات آگے بڑھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اگلے روز اس نے لباس کے سلسلے میں خاص اہتمام کیا۔ وہ لباس دراصل بے لباسی کا اہتمام تھا۔ گیارہ بجے اس نے وزیر خان کے ساتھ رائیڈنگ کی۔ پھر وہ وزیر خان کو اپنے ساتھ کاٹیج میں لے گئی۔ وہ جانتی تھی کہ سعید خان اس وقت لکڑیاں کاٹنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اس نے وزیر خان کو قالین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قالین پر پلے بوائے کا تازہ شمارہ اس نے پہلے ہی سے رکھا ہوا تھا۔ وزیر خان رسالے کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ لیکن اس کی ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں کپڑے تبدیل کر لوں۔ پھر تمہارے لئے چائے بناؤں گی۔ سعید خان آ جائے تو اسے بھی بٹھا لینا۔" اس نے وزیر خان سے کہا اور اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں اس نے گھڑ سواری کا لباس اتار کر اپنا منتخب کردہ گاؤن پہنا۔ مگر فوراً ہی نیچے آنے کی بجائے کھڑکی سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

کوئی پندرہ منٹ بعد اسے سعید خان کندھے پر لکڑیوں کا گٹھر لادے آتا دکھائی دیا۔ وہ مسکرائی اور کھڑکی سے ہٹ گئی۔ نیچے کا منظر وہ تصور میں دیکھ سکتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وزیر خان نے اس کے اوپر آتے ہی پلے بوائے اٹھا لیا ہوگا اور اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ ایسے میں اسے سعید خان کے آنے کا پتا بھی نہیں چلے گا۔ اور سعید خان خود اس مرحلے سے گزر چکا تھا۔ اسے بہت کچھ یاد آ جائے گا۔ اسے تو وہ رسالہ خاص طور پر دیا گیا تھا۔ اور اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا تھا، وہ بھی اس کی نظروں میں پھر جائے گا۔ پھر یا تو وہ وزیر خان سے جھگڑے گا یا اندر ہی اندر جلے اور جھلسے گا۔ دونوں صورتوں میں لوہا گرم ہی ہوگا۔ سعید خان یہی سمجھے گا کہ وہ اسے بھی اسی طرح لبھا رہی ہے۔

اسٹیلا نے انہیں پانچ منٹ کا وقت دیا۔ وہ کمرے سے نکلی اور نیچے چل دی۔ ابھی اسے لوہے کو اور گرم کرنا تھا۔

نیچے کمرے کا منظر اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے کشیدگی کا احساس ہو گیا۔ ان دونوں کے چہروں پر کھنچاؤ بہت واضح تھا۔ لیکن وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ ان کے درمیان گفتگو بالکل نہیں ہوئی ہے۔ رسالہ ایک طرف پڑا تھا اور وہ اس جگہ نہیں تھا، جہاں اس نے اسے چھوڑا تھا۔ رسالہ جیسے بکھرا ہوا تھا، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وزیر خان نے گھبراہٹ میں اسے پھینکا ہوگا۔

اس نے دونوں لڑکوں کو دیکھا۔ وزیر خان نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر شرمندگی تھی۔ سعید خان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی سرخی تھی۔ لگتا تھا، وہ اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کر رہا ہے "میں لکڑیاں کاٹ لایا ہوں میم صاب۔" اس نے کہا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

"شکریہ سعید خان۔"

"اب میں جاؤں؟"

"میں نے چائے کے لئے روکا تھا تمہیں۔"

"دل نہیں چاہ رہا ہے چائے کا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" اسٹیلا نے کہا۔ وہ اٹھ کر جانے لگا تو اسٹیلا نے اسے پکارا "سنو سعید خان۔"

سعید خان نے پلٹ کر اسے دیکھا "جی میم صاب۔"

"وہ مجھے کچھ چیزیں منگانی ہیں شہر سے۔"

"ابھی....؟ اسی وقت؟"

"نہیں۔ کھانے کے بعد چلے جانا۔"

وزیر خان کو خیال آیا کہ اس میں کچھ پیسے بچ بھی سکتے ہیں۔ اس نے جلدی سے کہا "میں چلا جاؤں گا میم صاب۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میرے پاس آج کام بھی بہت ہے۔" سعید خان بولا۔ ایک وقت تھا کہ اس قسم کی صورتِ حال میں وہ کوشش کرتا تھا کہ خود بازار چلا جائے۔ صرف میم صاب کے ساتھ اکیلا رہنے سے بچنے کے لئے اور آج وہ چاہ رہا تھا کہ وزیر خان بازار چلا جائے۔ صرف اس لئے کہ وہ اسے میم صاب کے پاس اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"نہیں، وزیر خان نہیں جا سکتا۔ اس سے مجھے کام ہے۔" اسٹیلا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن میم صاب، میرا کام" سعید خان نے احتجاج کیا۔

"تمہیں میرے حکم پر چلنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کرنا میرا کام ہے کہ کس وقت کس سے کیا کام لینا ہے۔" اسٹیلا کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"جو حکم میم صاب" سعید خان نے مری مری آواز میں کہا۔ پھر پوچھا "اب میں جاؤں؟"

"ہاں جاؤ۔ کھانے کے بعد بازار چلے جانا۔"

"میں بھی جاؤں میم صاب؟" وزیر خان نے پوچھا۔

"تم بیٹھو۔ چائے پی کر جانا۔"

سعید خان چلا گیا۔ اسٹیلا کچن میں چلی گئی۔ اس نے وزیر خان کے لئے چائے بنائی۔ اس دوران اس نے کھانے کے لئے سینڈوچ بھی بنا لئے۔ وزیر خان کو چائے کی پیالی تھما کر اس نے اپنے لئے ایک جام بنایا۔ پھر وہ وزیر خان کی طرف متوجہ ہوئی "تم بازار کیوں جانا چاہتے تھے؟" اس نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

وزیر خان کا چہرہ تمتمانے لگا۔ وہ کھسیانی ہوئی ہنسی ہنسنے لگا "وہ تو میرا حق ہے۔ آپ بھی دیکھ رہی ہیں کہ میری ترکیب کام دکھا رہی ہے۔"

"تمہیں اس کا صلہ مل جائے گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ آپ بے انصاف نہیں ہیں" وزیر خان عیاری سے مسکرایا۔

چائے پینے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور باہر چلا گیا۔ اسٹیلا نے اسے روکا بھی نہیں۔ وہ کاؤچ پر بیٹھ کر اپنے جام سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔ ڈیڑھ بجے اسٹیلا نے ان دونوں کو آواز دے کر بلایا تاکہ وہ کھانا کھا لیں۔ کھانے کے بعد اس نے خریداری کی فہرست اور پیسے سعید خان کو دیے "جاؤ، تم یہ چیزیں خرید لاؤ۔" اس نے کہا۔

سعید خان نے بڑی بے دلی سے دونوں چیزیں جیب میں رکھیں۔

"بہتر میم صاب۔"

وزیر خان بھی ساتھ ہی باہر جانے لگا تو اسٹیلا نے اسے روک لیا "تم رک جاؤ وزیر خان۔ تم سے ایک کام ہے مجھے۔"

اس پر سعید خان کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم ٹھٹکے۔ اس نے پلٹ کر باری باری وزیر خان اور اسٹیلا کو دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں شکایت اور بے بسی تھی۔ وہ چند لمحے ان دونوں کو

دیکھتا رہا۔ پھر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد کچھ دیر خاموشی رہی۔ اسٹیلا اپنے جام سے گھونٹ لیتی رہی۔ وزیر خان کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ قالین پر اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اسے یقین تھا کہ آج اسے دیرینہ صلہ ملنے والا ہے۔ اسے اپنا دل حلق میں دھڑکتا محسوس ہو رہا تھا۔

اسٹیلا نے جام خالی کر کے رکھا تو وزیر خان نے لرزتے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بے تابانہ اسے چومنے لگا۔ اسٹیلا کے لیے یہ سب کچھ خلافِ توقع نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے غصے اور نفرت سے وزیر خان کو ایک طرف دھکیل دیا "یہ کیا بدتمیزی ہے" وہ غرائی۔

وزیر خان نے حیرت سے اسے دیکھا "آپ نے کہا تھا کہ مجھے صلہ دیں گی۔"

"ہاں۔ مگر میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ یہ تو میں نے تمہیں ابتدا میں ہی کہہ دیا تھا کہ یہ خیال دل سے نکال دو۔"

"تو پھر؟"

اسٹیلا نے اٹھ کر اپنا پرس اٹھایا اور اس میں سے چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے "یہ لو اور اب جاؤ۔"

وزیر خان نوٹوں کو دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے نوٹ جیب میں رکھ لیے "تو اب میں جاؤں؟"

"ہاں جاؤ اور گھوڑوں کے درمیان کام کرو جا کر" اسٹیلا نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"جو حکم میم صاب" وزیر خان نے کہا اور باہر کی طرف چل دیا۔

وزیر خان اصطبل میں جانے کی بجائے باہری دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سعید خان کے بازار بھیجے جانے پر اس نے ایک توقع قائم کر لی تھی۔ پھر رسالہ دیکھ کر بھی اس نے خود کو بھڑکا لیا تھا۔ لیکن اب میم صاب نے اسے آسمان سے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اسے توہین کا احساس ہونے لگا۔ وہ اس حد تک بھڑکا کہ اس نے سوچا "اندر جا کر زبردستی.....

مگر پھر اسے میم صاب کا آخری جملہ یاد آ گیا۔ وہ قدرتاً معقولیت سے سوچنے لگا۔ آدمی گھوڑوں کے درمیان رہے تو بدبودار تو ہو گا۔ یہ میموں اور صاب لوگوں کے تو نخرے ہوتے ہی ہیں۔ اسے اس بات کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔

○☆○

اب اسٹیلا پہلا وار کرنے کے لیے تیار تھی!

وہ اسٹیج تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے اپنا خالی جام قالین پر ایک طرف لڑھکا دیا۔ پھر اس نے ایک اور جام بنایا اور وہیں بیٹھ کر مزے لے لے کر گھونٹ گھونٹ پیتی رہی۔ خالی جام اس کے سامنے لڑھکا ہوا تھا۔ جس جام سے وہ پی رہی تھی' اسے اس نے پوری طرح خالی نہیں کیا۔ کچھ مشروب باقی تھا کہ جام اس نے قالین پر رکھ دیا۔ پلے بوائے اب بھی وہیں پڑا تھا' جہاں وزیر

خان نے اسے رکھا تھا۔ اس نے اسے اٹھایا' ایک خاص ورق نکالا اور پھر رسالے کو الٹا کر کے رکھ دیا۔ اب اسے دیکھ کر کوئی یہی سمجھتا کہ کسی نے رسالہ دیکھتے دیکھتے کسی کام سے اٹھتے ہوئے اسے اس طرح رکھ دیا ہے۔ تاکہ زیرِ نظر صفحہ تلاش نہ کرنا پڑے۔

اسٹیج سیٹ کرنے کے بعد وہ اوپری منزل پر اپنی خواب گاہ میں چلی گئی۔ اب اسے بس آنے والے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو اندازہ ہوا کہ سعید خان کو گئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا تھا۔ یہ طے تھا کہ سعید خان بہت زیادہ تیز رفتاری دکھائے گا۔ وہ زیادہ دیر کاٹیج سے دور رہنا نہیں چاہے گا۔

اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ پندرہ منٹ ہوئے ہوں گے کہ سعید خان سامان کا تھیلا اٹھائے آتا دکھائی دیا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ سعید خان متلاشی نگاہوں سے اصطبل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اسٹیلا نے اس کے چہرے پر اطمینان کا تاثر ابھرتے دیکھا۔

اسٹیلا زیرِ لب مسکرائی۔ وہ جانتی تھی کہ جب وہ نیچے پہنچے گی تو سعید خان کے چہرے پر اس سے بالکل مختلف تاثر ہو گا۔

سعید خان کاٹیج کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسٹیلا کے اندازے کے مطابق وہ ڈرائنگ روم میں پہنچا تو اسٹیلا نے سیڑھیاں اترنا شروع کیا۔ نیچے پہنچتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ کام اس کی توقع کے مطابق ہوا ہے۔ سعید خان نے کمرے پر ایک نظر ڈالی ہو گی اور دہل گیا ہو گا۔ ایک طرف لڑھکا ہوا خالی جام' دوسرا جام جس میں مشروب باقی تھا۔ پلٹ کر رکھا گیا رسالہ۔ اس نے بے ساختہ رسالہ اٹھا کر اس ورق کو دیکھا ہو گا۔ اور رسالہ اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ اسے اسٹیلا کے قدموں کی چاپ سنائی دی ہو گی۔ اس نے گڑبڑا کر رسالہ ایک طرف پھینک دیا ہو گا۔

رسالہ اب مختلف جگہ پر رکھا ہوا تھا۔ سعید خان قالین کے بالکل پاس سر جھکائے کھڑا تھا۔ سامان کا تھیلا پاس ہی فرش پر رکھا تھا "لے آئے سامان؟" اسٹیلا نے پوچھا۔

سعید خان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب وحشت تھی "جی میم صاب" اس نے مری مری آواز میں کہا۔

اسٹیلا اس کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے تھیلے کا منہ کھول کر دیکھا اور طمانیت سے سر ہلایا "ٹھیک ہے۔"

سعید خان نے جیب سے پیسے نکال کر اس کی طرف بڑھائے "یہ پیسے بچے ہیں میم صاب۔"

اسٹیلا نے ہاتھ بڑھا کر رقم لے لی۔ وہ پچاس سے زیادہ روپے تھے۔ اس نے سعید خان کو غور سے دیکھا' جس کے چہرے پر اب مایوسی نظر آ رہی تھی۔ یقیناً اسے توقع تھی کہ وہ پوری رقم نہ سہی' کچھ نہ کچھ اسے ضرور دے گی "شکریہ سعید خان" اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا "بس اب تم جاؤ۔"

لیکن سعید خان وہیں کھڑا رہا۔ اس کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی "کیا بات ہے سعید خان۔ میرا خیال تھا کہ آج تمہیں کام بہت

ہے" اسٹیلا کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا۔

"جی کام تو بہت ہے۔"

"تو پھر جاؤ۔ کام کرو" اسٹیلا نے بے رخی سے کہا۔

"وہ... وہ... میم صاب۔ ایک بات پوچھنی تھی۔"

"کیا بات ہے۔ اب تم بھی پوچھ گچھ کرو گے مجھ سے" اسٹیلا نے دانستہ طور پر لہجہ اور سخت کر لیا۔

سعید خان بری طرح نروس ہو گیا۔ لیکن بات ایسی تھی کہ وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنا حوصلہ مجتمع کرتے ہوئے کہا "وزیر خان.... میرا مطلب ہے میم صاب کہ وزیر خان یہاں آیا تھا؟" یہ کہتے ہوئے اس کی نظریں خود بخود لڑھکے ہوئے جام کی طرف اٹھ گئیں۔

"ہاں' آیا تو تھا۔"

"تو.... تو کیا اس نے شراب بھی پی؟"

"تم ہندوستانیوں کے ساتھ یہ بڑا مسئلہ ہے" اسٹیلا نے نفرت سے کہا "تم لوگوں کو ذرا منہ لگایا جائے تو سر چڑھ جاتے ہو۔ مجھے ابتدا ہی میں تمہیں روک دینا چاہیے تھا۔ مجھے کہنا چاہیے تھا کہ تمہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ اتنا ہی تجسس ہے تو جا کر وزیر خان سے پوچھ لو۔ مگر میں نے اخلاقاً تمہیں جواب دے دیا تو اب تم بدتمیزی پر اتر آئے ہو۔ اس سوال کا جواب دوں گی تو تمہاری بدتمیزی بڑھ جائے گی۔ تم اور بھی بہت کچھ پوچھنا چاہو گے۔ اس لیے اسی وقت تمہارا منہ بند کرنا ضروری ہے۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ اور جو کچھ پوچھنا ہے' وزیر خان سے پوچھو۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنی اوقات یاد رکھا کرو۔"

سعید خان کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ بغیر ایک لفظ کے وہ پلٹا اور باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد اسٹیلا مسکرائی۔ اسے اندازہ تھا کہ پہلا وار ہی کافی مؤثر ثابت ہوا ہے۔

○☆○

سعید خان کام شروع کرنے کی بجائے سیدھا وزیر خان کی طرف گیا۔ وزیر خان اصطبل کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا "بازار سے آ گئے یار؟" اس نے سعید خان کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"ہاں" سعید خان نے جواب دیا۔ پھر پوچھا "میم صاب کو تم سے کیا کام کرانا تھا؟"

"میم صاب کو؟ مجھ سے؟ کام؟" وزیر خان حیران نظر آنے لگا۔

"ہاں۔ جب تم میری جگہ بازار جانا چاہ رہے تھے تو میم صاب نے کہا تھا کہ تم سے کوئی اور کام کرانا ہے۔"

وزیر خان کی آنکھیں چمکنے لگیں "اچھا وہ" اس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا "معاف کرنا یار' بس اس سلسلے میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"کیوں نہیں بتا سکتے؟" سعید خان نے بے حد خراب لہجے میں کہا۔

"میم صاب نے منع کیا تھا۔"

سعید خان نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔ لیکن مزید پوچھ کچھ نہیں کی۔ سعید خان کچھ دیر وزیر خان کے پاس بیٹھا رہا۔ وزیر خان کو ایک غیر معمولی بات محسوس ہوئی۔ سعید خان بغیر کسی معقول وجہ کے اس سے قریب.... بہت قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیوں؟ یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ تاہم ردِعمل کے طور پر وہ اس سے کھنچ گیا۔

بالآخر سعید خان کو اٹھنا پڑ گیا۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہ وزیر خان کا منہ نہیں سونگھ پایا تھا۔ لیکن وزیر خان جس طرح اس سے بچ رہا تھا' اس سے اس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے۔ بہرکیف وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

شام کو اسٹیلا نے اسے کاٹیج میں بلایا "یہ سبزا اٹھا کر ادھر رکھ دو" اس نے اشارے سے بتایا۔

سعید خان نے خاموشی سے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ وہ واپس جا رہا تھا کہ اسٹیلا نے اسے پکارا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"مجھے افسوس ہے سعید خان کہ مجھے تم سے سخت گفتگو کرنی پڑی" اسٹیلا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں میم صاب۔"

اسٹیلا نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں "لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ تمہیں حد سے نہیں بڑھنا چاہیے تھا۔"

"میں یہ بات سمجھتا ہوں میم صاب۔"

"مجھے دلی افسوس ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ میم صاب۔ آپ مالک ہیں اور میں نوکر ہوں۔"

"تم جانتے ہو' میں نے کبھی ایسا نہیں سمجھا۔ میں نے ہمیشہ تم سے دوستانہ تعلق رکھنے کی کوشش کی۔"

"مالک اور نوکر میں دوستی نہیں ہوتی میم صاب" سعید خان نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن تمہارا بھائی وزیر خان یہ نہیں سمجھتا۔"

"ایسے نوکر بھی ہوتے ہیں۔ وزیر خان کم ظرف آدمی ہے میم صاب۔ آگے آپ جانیں۔"

"میں جانتی ہوں۔ اسی لیے میں نے اسے تمہارے جتنی اہمیت کبھی نہیں دی" اسٹیلا کہتے کہتے رکی۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم وزیر خان کے معاملے میں اتنے جذباتی کیوں ہو جاتے ہو۔"

"کیا کروں۔ اس سے رشتہ ہی ایسا ہے" سعید خان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم جانتے ہو کہ وہ کم ظرف ہے۔ اس کا کردار بھی ٹھیک نہیں۔ پھر کیوں اپنی بہن کی شادی اس سے کرتے ہو۔"

"آپ نہیں سمجھیں گی میم صاب۔ یہاں کے رسم و رواج سے واقف جو نہیں ہیں۔ اب رشتہ ختم ہو گا تو میری بہن کی بدنامی

ہوگی۔ اور جہاں تک کردار کا تعلق ہے' وہ اتنا برا بھی نہیں۔ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تمہیں اندازہ نہیں کہ وزیر خان مجھ سے کس طرح کے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے۔"

سعید خان کا چہرہ تمتمانے لگا "مجھے اندازہ ہے۔ اور میری آپ سے التجا ہے کہ اسے منہ نہ لگائیں۔ وہ آپ کے لیے بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔"

"تم میرے نہیں' اپنے نقصان کی فکر کرو" اسٹیلا نے تیز لہجے میں کہا "تم یہ نہیں سوچتے کہ میں کتنی تنہا ہوں۔ اسی لیے میں نے تم سے دوستی کرنی چاہی تھی۔ لیکن تم نے مجھے مایوس کیا" اس نے کچھ توقف کیا جیسے اسے اپنی بات پوری طرح سمجھنے کی مہلت دے رہی ہو "لیکن تم نے مجھے مایوس کیا" اس نے دہرایا "اچھی بات ہے۔ وزیر خان مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔ مگر وہ مجھ میں دلچسپی لیتا ہے' مجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہے۔ اب میں تو یہی سوچوں گی کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہی ہے۔"

"میری التجا ہے کہ آپ ایسا نہ کریں۔"

اسٹیلا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنسنی خیز لہجے میں کہا "صرف تم ہی مجھے روک سکتے ہو۔ کیسے..... یہ بھی تم جانتے ہو۔"

سعید خان کی نظریں جھک گئیں۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اس کے انکار کی غمازی کر رہے تھے۔

"وزیر خان..... تمہارا ہونے والا بہنوئی کیسا بھی سہی' ایک لحاظ سے تم سے بہتر ہے" اسٹیلا نے زہریلے لہجے میں کہا "وہ غیر مشروط طور پر میرا غلام بننا چاہتا ہے۔ میرے اشارے پر وہ کچھ بھی کر سکتا ہے' کچھ بھی چھوڑ سکتا ہے" یہ کہتے ہوئے اسٹیلا کا لہجہ معنی خیز ہو گیا "ویسے ابھی تک تو میں نے اسے منہ نہیں لگایا ہے۔"

سعید خان کی آنکھوں میں برہمی چمکی۔ لیکن وہ اب بھی خاموش رہا۔

"پتا نہیں' میں تم سے یہ باتیں کیوں کر رہی ہوں۔ خیر' تم جا سکتے ہو" اسٹیلا نے جھنجلا کر کہا۔

"بہتر میم صاحب" سعید خان نے کہا اور سر جھکائے ہوئے چلا گیا۔

اسٹیلا کو مایوسی ہوئی تھی۔ اس کا اندازہ تھا کہ پہلے ہی وار میں سعید خان کی مزاحمت دم توڑ جائے گی۔ مگر وہ زیادہ سخت جان ثابت ہوا تھا۔ پھر بھی فکر مند ہونے کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس کے ترکش میں ابھی کئی تیر باقی تھے اور وہ جانتی تھی کہ کب اسے کون سا تیر چلانا ہے۔



سعید خان اس روز بہت پریشان تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بات آگے بھی جا سکتی ہے۔ میم کو اس کی کمزوری کا احساس ہو گیا تھا اور یہ طے تھا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے بغیر نہیں مانے گی۔

وہ اس سلسلے میں سوچتا رہا اور اسے وزیر خان پر غصہ آتا رہا۔ یہ سب کچھ وزیر خان کی کمزوری ہی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ اس نے اس میم کی وجہ سے اس کی دوستی کو بھی بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ سعید خان کو افسوس تھا کہ وزیر خان اتنا کم عقل ثابت ہوا ہے۔

وہ سوچتا رہا کہ اس مسئلے کا کوئی حل بھی ہے۔ اب تک کی صورتِ حال تو یہ تھی کہ اس کی وزیر خان کی دوستی تک میں فرق آ گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ دونوں ایک دوسرے پر شک کرتے تھے۔ اب سعید خان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اتنی دور سے آ کر کسی اجنبی ملک پر حکومت کرنا کتنا مشکل تھا لیکن انگریزوں نے اسے کتنا آسان بنا دیا۔ اس سلسلے میں انگریزوں کا کیا طریق کار تھا' اس کا اندازہ اسٹیلا کو دیکھ کر ہو رہا تھا۔

بالآخر سعید خان کو ایک حل سوجھ ہی گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وزیر خان نے بھی زمین خرید لی ہے۔ مالی معاملات بہت بہتر ہو گئے تھے۔ مقام اور مرتبے کے اعتبار سے دونوں خاندان دیکھتے ہی دیکھتے بلند ہو گئے تھے اور یہ انگریزوں کی ... اسٹیلا اور رچرڈ سن کی مہربانی تھی۔ تو اب ریشم کی شادی میں کیا قباحت تھی۔ یہ خیال آتے ہی سعید خان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ واقعی ... یہ تو سادہ سی بات ہے۔ فطری بات ہے۔ ریشم کی شادی وزیر خان سے ہو جائے۔ اس کے بعد وزیر خان کچھ بھی کرتا رہے اسے کوئی پروا نہیں ہوگی۔ شادی ہوگی تو ریشم کا مستقبل محفوظ ہو جائے گا۔ ابھی تو وہ بے چاری معلق ہے۔ شادی کے بعد تو ویسے بھی سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔

سعید خان کمرے سے نکلا اور باورچی خانے میں ماں کے پاس چلا گیا "کیا بات ہے' بھوک لگ رہی ہے؟" ماں نے پوچھا۔

"نہیں ماں۔ ایک ضروری بات کرنی ہے مجھے۔"

"کیا بات ہے پتر؟" ماں نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"کوئی خاص بات نہیں ماں۔ بس ریشم کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ریشم کے بارے میں؟"

"ہاں ماں۔ اب دیر کیسی۔ اس کی شادی بس کر دینی چاہیے۔ اب تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے ہمارے پاس اور وزیر خان بھی زمین دار بن گیا ہے۔"

"کہتا تو تو ٹھیک ہے۔"

"صرف یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا ماں۔ تمہیں کل ہی وزیر خان کے ہاں جانا ہے۔"

ماں ہچکچا رہی تھی "لیکن تیاری بھی تو کرنی ہے۔"

"تیاری کیسی۔ میں جانتا ہوں' زیور اور کپڑے تو تم بہت پہلے سے جمع کر رہی تھیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ کل جا کر بات کروں گی۔"

"صرف بات نہ کرنا۔ تاریخ بھی لے کر آنا۔ ہم ریشم کو کب تک بٹھائے رکھیں گے۔"

"ہم بھلا مجھ سے کیوں بات کریں گی لیکن جھیل پر سہ پہر تو تمہیں ہم تھی۔"

"میں کچھ نہیں جانتا ماں۔ بس یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔" یہ کہہ کر سعید خان کو احساس ہوا کہ اس کا لہجہ کچھ بگڑ گیا ہے۔

○☆○

سعید خان گھر سے تو ہلکا پھلکا چلا تھا' اسے اندازہ نہیں تھا کہ کالج پہنچ کر وہ پھر بوجھل ہو جائے گا اور جو کچھ ہوا' وہ اسٹیلا کے صرف ایک جملے کی وجہ سے تھا۔

وہ معمول کے مطابق باغیچے میں کام کر رہا تھا۔ وزیر خان دونوں گھوڑوں کو باہر نکال لایا تھا۔ وہ انہیں تھپتھپا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسٹیلا بھی رائیڈنگ کے لیے تیار ہو کر آ گئی "ہیلو وزیر خان" اس نے شگفتگی سے کہا۔

"سلام میم صاب۔"

"وزیر خان' ایک بات بتاؤ۔ تمہارے خیال میں اب میں لمبی رائیڈنگ کر سکتی ہوں؟"

"جی ہاں میم صاب۔ میں تو بہت پہلے سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

"تو آج ہم کہیں دور چلیں۔ تم مجھے کچھ قابل دید جگہیں دکھانا چاہتے تھے نا۔"

یہ وہ جملہ تھا جسے سن کر سعید خان کو لگا کہ اس کے سینے پر پتھر کی کوئی بھاری سل آ گری ہے۔ اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔ ادھر وزیر خان چہک کر کہہ رہا تھا "کیوں نہیں میم صاب۔ میں تو پہلے سے کہہ رہا ہوں یہ بات۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ آج تجربہ کرتے ہیں۔ کتنی دور جانا ہو گا؟"

"دس بارہ میل تو ہو گا۔" وزیر خان نے جواب دیا۔

"ایک بات بتاؤ۔ میرا گھوڑا بے قابو بھی تو ہو سکتا ہے۔" اسٹیلا نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"میرے خیال میں تو یہ ممکن نہیں۔"

"پھر بھی' ایسا ہو تو سکتا ہے۔"

"ہوا بھی تو آپ اسے قابو کر لیں گی۔ میں آپ کو اسے قابو کرنے کی ترکیب بھی تو بتا چکا ہوں۔"

"یہ بھی تو ممکن ہے کہ گھبراہٹ میں میری کچھ سمجھ میں نہ آئے۔"

"تو میں جو ہوں گا آپ کے ساتھ۔ آپ فکر ہی نہ کریں میم صاب جی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

یہ سب کچھ سنتے ہوئے سعید خان کے وجود میں طوفان اٹھ رہے تھے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ چلائے..... بند کرو یہ بکواس۔ لیکن وہ اپنا مقام خوب پہچانتا تھا۔ میم تو خیر حاکم تھی لیکن اس کا زور تو اپنے ہی جیسے وزیر خان پر بھی نہیں چلتا تھا۔ بے بسی کے احساس نے اس کے اندر اٹھنے والے طوفان کو جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ میم وزیر خان کے ساتھ اس بار دور جا رہی تھی مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ تو آنکھوں کے سامنے ہونے والی بات کو بھی نہیں روک سکتا تھا لیکن نہیں' وہ روک سکتا تھا۔ دو صورتیں تھیں انہیں روکنے کی۔ ایک یہ کہ وہ میم کے سامنے سپر ڈال دے۔ دوسری یہ کہ وہ ان میں سے کسی کو یا دونوں کو ہی ختم کر دے۔ لیکن دونوں صورتیں اس کے لیے ناقابل قبول تھیں۔ سو وہ بے بسی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ وزیر خان نے سہارا دے کر میم صاب کو گھوڑے پر بٹھایا جب کہ اب وہ خود بھی گھوڑے پر سوار ہو سکتی تھی اور وزیر خان کا ہاتھ ضرورت سے زیادہ دیر تک میم صاب کی کمر کے پیچھے لگا رہا پھر وہ دونوں چلے گئے اور وہ اکیلا رہ گیا۔

اب وہ تھا اور اس کی زہریلی سوچیں۔ وہاں مہیب تنہائی تھی' جو اس کے کرب کو بڑھا رہی تھی۔ بس ایک خیال اسے دلاسا دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماں آج وزیر خان کے گھر جائے گی اور شادی کی تاریخ طے ہو جائے گی پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

اسے احساس تھا کہ یہ اعصاب شکن جنگ وہ زیادہ دیر نہیں لڑ سکتا۔ جنگ طول پکڑ گئی تو اس کی مزاحمت مٹی کی دیوار ثابت ہو گی۔

○☆○

وزیر خان کالج سے آ کر تھکے تھکے انداز میں صحن میں پڑی چارپائی پر آ بیٹھا۔ اس روز وہ میم صاب کو بہت دور لے کر گیا تھا یعنی گھڑ سواری طویل ہو گئی تھی لیکن تھکن کی یہ وجہ نہیں تھی۔ تھکن کا اصل سبب مایوسی تھی۔ میم صاب ابھی تک اس کی توقع پوری کرنے کو تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس نے اس کی ہر پیش قدمی کو سختی سے روکا تھا۔ اسے یاد تھا' وہ میم کے رویے پر جھنجلا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا "میم صاب' پھر میں اس کھیل میں حصہ نہیں لے سکتا۔"

میم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلی تھی "سنو وزیر خان' تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ انگریز عورتیں پکے ہوئے پھلوں کی طرح ہوتی ہیں اور ہوا کے جھونکے سے بھی جھولی میں آ گرتی ہیں لیکن تم غلطی پر ہو۔ دنیا کی تمام عورتوں کی فطرت ایک ہی ہے۔ خواہ وہ کسی بھی رنگ و نسل اور مذہب سے تعلق رکھتی ہوں۔ انہیں صابر مرد اچھے لگتے ہیں' بے صبرے نہیں۔ تم اپنے اندر صبر کی خو پیدا کرو۔"

یہ سراسر امید بندھانے والی بات تھی... اور وزیر خان کے دل میں امید جاگ اٹھی "میں صبر کر رہا ہوں۔" اس نے کہا "آپ اور کتنا صبر چاہتی ہیں۔"

"صبر کرتے رہو اور تماشا دیکھے جاؤ۔"

"لیکن بعض اوقات صبر کرتے کرتے ایک ایسا مرحلہ آ جاتا ہے' جب صلہ دینے والے کے لئے صلہ دینا ضروری نہیں رہتا۔ ایسے میں صلے کا حق دار عام طور پر صلے سے محروم ہی رہ جاتا ہے۔ مجھے صلہ چاہئے۔"

اس پر اسے کچھ اور پیسے مل گئے صلے کے نام پر۔ مگر وزیر خان کو کوئی طمانیت محسوس نہیں ہوئی۔ اب پیسوں کی اس کے لئے اتنی اہمیت نہیں تھی بلکہ میم سے پیسے لیتے ہوئے اسے ذلت اور توہین کا احساس ہوتا تھا۔

اس وقت اتنے عرصے میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وزیر خان اپنے جذبات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ کوئی دشوار کام نہیں تھا۔ میم سے اسے محبت ہرگز نہیں تھی۔ بس وہ اس کی جوانی کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ ایک جذبہ اور تھا۔ وہ فاتح قوم سے تعلق رکھتی تھی اور وہ مفتوح تھا۔ اور ہر مفتوح کسی نہ کسی طور اپنے فاتح کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی یہی کچھ چاہتا تھا۔ وہ اس سے اس کے حسن و شباب کا خراج وصول کرنا چاہتا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے وزیر خان کو اپنی وحشت کا بھی ادراک ہوا۔ جتنا وہ میم اسے تڑپا رہی تھی' اتنی ہی شدت سے اسے مسل دینے کی خواہش اس کے اندر ابھر رہی تھی۔

وزیر خان کو خود اپنی وحشت سے خوف آنے لگا۔ اتنی وحشت! یہ تو کچھ بھی کرا سکتی ہے آدمی سے۔ اسی لیے وزیر خان کو یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ وہ زیادہ دیر اس وحشت کو زنجیر نہیں پہنا سکتا وہ زیادہ دیر صبر نہیں کر سکتا۔

ساتھ ہی اسے سعید خان سے شدید نفرت کا بھی احساس ہونے لگا۔ یعنی عزیز ترین دوست رقیب بن گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس کے پاس سعید خان سے نفرت کا کوئی جواز نہیں۔ وہ جانتا تھا کہ میم اپنے لفظوں کے برعکس پکے ہوئے پھل کی طرح سعید خان کی آغوش میں گرنے کے لیے بے تاب ہے۔ لیکن سعید خان خود اس سے گریز کر رہا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سعید خان ایسا نہ کرتا تو شاید میم کبھی اس سے سیدھے منہ بات بھی نہ کرتی۔ یعنی اس کی اہمیت سعید خان کی بے رخی کے دم سے ہے۔ اس اعتبار سے اسے سعید خان کا احسان مند ہونا چاہیے تھا۔ مگر وہ اس سے نفرت کر رہا تھا۔ کیوں؟ اس کا ایک ہی جواب تھا اس کے پاس۔ وہ اس بنیاد پر سعید خان سے نفرت کر رہا تھا کہ میم اس پر مرمٹی تھی۔ جب کہ وہ کسی طور بھی وزیر خان سے بہتر اور برتر نہیں تھا۔ اصولاً چیز اسے ملنی چاہیے' جو اس کی آرزو کر رہا ہو.....

اس احساس نے اسے چونکا دیا کہ کوئی اس کے پاس آ بیٹھا ہے۔ اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ وہ احتراماً سرک کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے بیٹے۔ تو کچھ پریشان دکھائی دے رہا ہے۔" ماں نے کہا۔

"نہیں ماں۔ بس آج تھکن بہت ہو گئی ہے۔" وزیر خان نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے تو آرام کر لے۔ میں بات بعد میں کر لوں گی۔"

وزیر خان نے متجسس نگاہوں سے ماں کو دیکھا "کیا بات ہے ماں؟"

"بعد میں بات کر لوں گی۔" ماں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وزیر خان نے ماں کا ہاتھ تھام کر اسے بٹھا لیا "اب اتنی تھکن بھی نہیں ہے کہ تم بات ہی نہ کرو۔ کیا بات ہے؟"

ماں مسکرائی "بات پریشانی کی نہیں' خوشی کی ہے۔ آج سعید خان کی ماں آئی تھی۔"

"کیوں... کیا بات ہے؟"

"وہ کہہ رہی تھی کہ اب دلہن کو لانے کا وقت آ گیا ہے۔ شادی ہو جانی چاہیے۔"

وزیر خان کی تیوریاں چڑھ گئیں "پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا' وزیر خان سے پوچھ کر پھر جواب دے آؤں گی۔"

"تم کہہ دو ماں' میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔"

ماں نے حیرت سے اسے دیکھا "یہ کیسی باتیں کر رہا ہے تو۔ میں بھی کہتی ہوں کہ اب شادی ہو جانی چاہیے۔"

"مگر جب تک میرا ایک کام نہیں ہو جاتا' میں شادی نہیں کروں گا۔"

"کیسا کام؟" ماں نے حیرت سے پوچھا۔ "اب اللہ نے اپنی رحمت سے سب کچھ تو دے دیا ہے۔ اب کوئی کمی بھی نہیں۔"

وزیر خان ماں کو اس کام کے متعلق کیا بتاتا "ہے میرا ایک کام ماں۔"

"مگر میں انہیں کیا جواب دوں؟" ماں جھنجلا گئی۔

"یہی کہ ابھی کچھ عرصے انتظار کرنا ہو گا۔"

"مگر وہ اصرار کر رہے ہیں۔"

"تو بے شک کہیں اور رشتہ کر دیں ریشم کا۔"

ماں دہل گئی "یہ تو کیا کہہ رہا ہے بیٹے' کچھ جانتا بھی ہے۔"

"سب جانتا ہوں۔ بس یہی میرا فیصلہ ہے۔"

"اچھا تو غصہ نہ کر۔ میں انہیں سمجھا لوں گی۔"

ماں اٹھ گئی۔ لیکن وزیر خان اپنی سوچوں میں گھرا رہا۔

○☆○

سعید خان غصے اور نفرت کی آگ میں پھنک رہا تھا۔ ماں نے اسے بتا دیا تھا کہ لڑکی والے ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہیں "منظری کہتی ہے کہ جو کچھ پاس تھا' وہ زمین خریدنے میں لگا چکے ہیں۔ اب شادی کے لیے مہلت چاہیے۔" اس نے بتایا تھا۔

سعید خان خوب جانتا تھا کہ وزیر خان کے پاس کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں۔ اور اسی حال میں شادی بھی ہو جاتی۔ ایسا ہی ہوتا تھا۔ زمین خریدنے کے لیے پیسہ کہاں سے آیا۔ میم صاب اور صاب سے ملا اور صرف اس لیے ملا کہ وہ حق دوستی ادا کرنے کے لیے وزیر خان کو کالج لے گیا تھا۔ اور اب وزیر خان اس کا یہ صلہ دے رہا تھا۔ کہا یہ جا رہا تھا کہ جو کچھ پاس تھا وہ زمین خریدنے میں لگا دیا گیا ہے۔ اس رات سعید خان خود کو انگاروں کے بستر پر محسوس

کر رہا تھا۔ وہ سو نہیں سکا۔ وہ پہلا موقع تھا کہ وہ وزیر خان سے نفرت کر رہا تھا۔ وزیر خان صرف کم ظرف نہیں تھا۔ اس نے دو کوڑی کا احسان فراموش بھی ثابت کر دیا تھا۔ لیکن رشتہ ایسا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وہ رات بھر سو نہ سکا۔ صبح وہ جلدی کالج چلا گیا۔ وہ وزیر خان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ پھٹ پڑے گا اور بات اور خراب ہو جائے گی۔ اس کے لیے منافقت آسان نہیں تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وزیر خان کا سامنا تو اسے کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ ضروری تھا کہ وہ خود کو اس کے لیے تیار کر لے۔

کالج پہنچ کر اس نے کلہاڑی اٹھائی اور جنگل کی طرف چل دیا۔ اپنا غصہ درختوں پر اتارنے ہی میں عافیت تھی۔

وہ لکڑیوں کا گٹھر لے کر واپس آیا تو اسٹیلا بھی بیدار ہو چکی تھی اور وزیر خان بھی آچکا تھا۔ وزیر خان اصطبل کے کاموں میں مصروف تھا۔ ایک دو گھنٹے گزرے تو سعید خان کو یہ طمانیت خیز احساس ہوا کہ وزیر خان بھی اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ وہ بھی اس سے گریزاں ہے۔

اس روز وزیر خان اپنے معمول کے مطابق خود سے گھوڑے نکال کر نہیں لایا۔ اسٹیلا رائیڈنگ کے لیے تیار ہو کر آئی تو اسے گھوڑے کہیں نظر نہیں آئے۔ اس نے وزیر خان کو پکارا۔ ”ابھی آیا میم صاب“ اصطبل سے وزیر خان کی آواز آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں گھوڑے لے کر چلا آیا۔ ”آج کوئی اور جگہ دکھاؤ مجھے“ اسٹیلا نے لگاوٹ بھرے لہجے میں کہا۔

”ضرور میم صاب۔ چلیں آپ گھوڑے پر سوار ہوں۔“

وہ دونوں چلے گئے۔ سعید خان کے اندر پھر ایک جہنم دہکنے لگا۔ خاصے غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے میم صاب سے جلد طلب کرنا ہوگی۔

اس شام اسٹیلا رچرڈسن کو اس وقت بہت حیرت ہوئی، جب سعید خان نے معمول سے پہلے چھٹی کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اسے یہ بتانے کے لیے کالج میں آیا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اسٹیلا نے پُر تشویش لہجے میں پوچھا ”تم عام طور پر چھ بجے سے پہلے تو نہیں جاتے اور ابھی تو پانچ بھی نہیں بجے ہیں۔“

”کوئی خاص بات نہیں میم صاب۔ اب کوئی کام بھی تو نہیں ہے۔“

اسٹیلا کا ذہن اس کے لیے کوئی کام سوچنے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن سعید خان نے اسے سوچنے کی مہلت نہیں دی۔

”اچھا میں چلتا ہوں۔ سلام میم صاب۔“

اسٹیلا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ چلا گیا۔ اسٹیلا سوچتی رہی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ ابھی چند روز پہلے تو سعید خان اسے وزیر خان کے ساتھ تنہا چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اور آج وہ خود انہیں تنہائی فراہم کر رہا تھا۔ اسٹیلا کو یقین ہو گیا کہ سعید خان اپنے گھر ہرگز نہیں گیا ہوگا۔ بلکہ وہ کہیں چھپ کر اس پر نظر رکھے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ آج وہ اس پر کاری وار کر سکتی ہے۔

اگر اس کا اندازہ درست تھا تو لوہا گرم کرنے کے لیے سعید خان کو انتظار کرانا ضروری تھا۔

اسٹیلا کالج سے نکلی اور اصطبل کی طرف چل پڑی۔ وزیر خان گھوڑوں کے لیے دانے پانی کا بندوبست کر رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ جانے والا ہے۔ اس نے اسٹیلا کو مستفسرانہ نظروں سے دیکھا ”کیا بات ہے میم صاب؟“

اسٹیلا اسے دیکھ کر مسکرائی ”تم صلے کی بات کرتے رہتے ہو نا بیٹے۔“

وزیر خان کی آنکھوں میں امید چمکی۔

”سوچتی ہوں، تمہیں صلہ ملنا چاہیے۔“

”مجھے یقین تھا میم صاب کہ آپ بے انصافی نہیں کریں گی۔“

”آج تم دیر تک رک سکتے ہو؟“

”کیوں نہیں میم صاب۔“

”تو پھر رک جاؤ۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد کالج میں چلے آنا۔ مگر ایک شرط ہے۔“

”حکم کریں میم صاب جی۔“

”جلد بازی نہ کرنا۔ صلہ قسطوں میں ملے گا۔ تمہیں اپنے آپ پر قابو رکھنا ہوگا۔ میرے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہوگی۔ حکم عدولی کی اور میری مقرر کردہ حد سے آگے بڑھے تو کبھی کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو۔“

”میں سمجھ گیا میم صاب۔“

”بس تو سات بجے کالج میں آجانا۔“

اسٹیلا کالج میں واپس آگئی۔ وہ کیبنٹ کے پاس گئی، بوتل نکالی۔ لیکن کچھ سوچ کر بوتل واپس رکھ دی۔ آج خود کو ہوش میں رکھنا ضروری ہے۔ اس نے خود کو یاد دلایا۔ آج پینی بھی ہے تو صرف دکھانے کے لیے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کھیل خراب ہو۔

ادھر وزیر خان پر ہیجان طاری تھا۔ اس کے لیے تو ایک پل بھی صدی کے برابر تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت کالج میں جا گھستا۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ بنتی ہوئی بات خراب ہو۔ وہ میم کی ہر ہدایت پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اسے شکایت کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

وقت سست رفتاری سے گزرتا رہا۔ وزیر خان اترتی ہوئی دھوپ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ شام کے سائے لمبے ہونے لگے تھے۔ وہ موسم گرما تھا۔ سورج سات بجے کے بعد غروب ہوتا تھا۔ وزیر خان مغربی افق میں لڑھکتی ہوئی نارنجی گیند کو دیکھتا رہا۔ اس کا بس چلتا تو اس گیند کو سامنے والی پہاڑی چوٹی سے نیچے دھکیل دیتا۔

بالآخر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے قدم کالج کی طرف اٹھ رہے تھے۔

○☆○

سعید خان اپنے سوچے ہوئے پروگرام پر عمل کر رہا تھا۔ کالج سے وہ سیدھا گھر گیا۔ نہا دھو کر اس نے کپڑے بدلے، کھانا کھایا اور گھر سے نکل آیا۔ گاؤں کے باہر وہ درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑا ہو گیا، جہاں سے وہ گاؤں میں جانے والوں کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر وہ خود ان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔

اسے وزیر خان کی آمد کا انتظار تھا اور وہ جانتا تھا کہ وزیر خان اب کسی بھی وقت آتا نظر آجائے گا۔

لیکن اس کی توقع پوری نہیں ہوئی۔ اس کے اندازے کے مطابق وزیر خان کو آدھے گھنٹے سے زیادہ کی تاخیر ہو گئی تو وہ بے چین ہو گیا۔ اسے بدترین اندیشے ستانے لگے۔ وہ سوچنے لگا کہ اس سے حماقت سرزد ہوئی ہے۔ سچ ہے کہ جذباتیت کبھی انسان کو درست فیصلہ نہیں کرنے دیتی۔ یہ فیصلہ تو اس نے درست کیا تھا کہ میم صاب سے مدد لیتی ہے۔ لیکن وہ انہیں چھوڑ کر وقت سے پہلے نکل آیا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس غلط فیصلے نے تو شاید صورت حال کو اور خراب کر دیا تھا۔ اس کا اضطراب اتنا بڑھا کہ وہ جھنڈ سے نکل آیا اور کالج کی سمت چل دیا۔ کچھ دور جا کر اسے خیال آیا کہ اگر اس وقت آتے ہوئے وزیر خان سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی تو کیا ہوگا۔ وہ کیا کہے گا کہ کہاں جا رہا ہے اور کیوں جا رہا ہے۔ یہ امکان بھی موجود تھا کہ وزیر خان اس کے ساتھ لگ لے گا۔

یہ سب کچھ اس نے سوچا۔ مگر اضطراب ایسا تھا کہ اس کے بڑھتے ہوئے قدم رکے بھی نہیں۔ ہاں وہ وزیر خان کو دینے کے لیے مناسب جواب سوچتا رہا۔ وہ جھوٹ گھڑتا اور خود ہی مسترد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کالج کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے قدم بے اختیار باغ کی طرف اٹھ گئے۔ یہ بھی محفوظ جگہ تھی۔ وہ راستہ بھی نہیں تھا اور باغ کو کالج سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں پہنچ کر سعید خان نے اطمینان کی سانس لی۔ یہ بہت بڑی بات تھی کہ راستے میں اس کا وزیر خان سے سامنا نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ سوچتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس بات کا ایک تشویش ناک پہلو بھی ہے۔ سوال یہ تھا کہ وزیر خان اب تک یہاں کیوں ہے اور کیا کر رہا ہے۔

یہ خیال آتے ہی اس کا اضطراب دوچند ہو گیا۔ سورج غروب ہونے ہی والا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سوا سات بجے ہیں۔ اس نے کالج کی طرف دیکھا۔ ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ لیکن صاف نظر آرہا تھا کہ روشنی بھی ہے۔

وہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ سوال سعید خان کے دل میں خنجر کی طرح اتر گیا۔ اس کا جواب بہت آسان تھا۔ وہ خود جا کر دیکھ سکتا تھا۔ لیکن کیا یہ مناسب ہے۔ سعید خان سوچتا اور الجھتا رہا کہ کیا کرے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

○☆○

کالج میں جو کچھ ہو رہا تھا، وہ اسٹیلا رچرڈسن کے لیے پُرلطف کسی اعتبار سے بھی نہیں تھا۔ وہ شطرنج کی ایک بے لطف بازی تھی جو وہ ایک اہم بازی جیتنے کی خاطر بے دلی سے کھیل رہی تھی۔ اسے کسی خاص نتیجے کی توقع نہیں تھی۔ وزیر خان کے آنے پر اس نے اپنے لیے ایک جام بنایا تھا۔ پھر وہ وقفے وقفے سے چھوٹا سا ایک گھونٹ لیتی۔ وزیر خان کو آئے ہوئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔ مگر وہ جام ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اسے ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دوسرے جام کی نوبت آئے۔

یہ بات اس کے لیے باعث اطمینان تھی کہ وزیر خان اس کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔ اس نے جس حد تک اسے اجازت دی تھی، وہ اس سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ اس سب کے دوران اسٹیلا تصور میں سعید خان کو دیکھ رہی تھی جو چھپ کر یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ہر لمحے وہ اس کے ردعمل کی توقع کر رہی تھی۔ اس کا اشتعال میں آنا فطری تھا۔ لیکن ہر لمحے اسے مایوسی ہوئی۔ سعید خان ابھی تک حرکت میں نہیں آیا تھا۔

وہ سعید خان کو اور زیادہ مشتعل کرنے کے چکر میں وزیر خان کو ڈھیل دیتی گئی۔ اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ خود اسے بھی اس کھیل میں لطف آنے لگا ہے۔ یوں بے دلی سے کھیل جانے والی دکھاوے کی وہ بازی جان دار ہو گئی۔ اس وقت احساس ہوا، جب وہ بازی ہار چکی تھی۔ ساتھ ہی اسے یہ احساس بھی ہوا کہ یہ کھیل رائیگاں ثابت ہوا ہے۔ اس کا مقصد پورا نہیں ہو سکا تھا۔ کیوں؟ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی۔ اور وہ یہ کہ اس کا پہلا اندازہ ہی غلط تھا۔ سعید خان کہیں چھپ کر موجود ہی نہیں تھا۔ ہوتا تو اس تماشے کا خاموش تماشائی ہرگز نہ رہتا۔

کیف و انبساط کی ایک لہر تھی، جو ایک پل میں اس کے وجود سے گزر گئی تھی۔ اور اب وہ بے کیف تھی۔ خمار سے ملتی جلتی کسی کیفیت سے دوچار۔ اس نے بدمزگی سے وزیر خان کو دیکھا۔ لیکن اس لیے کسی نامعلوم حس نے اسے بتایا کہ اس کے ساتھ بے زاری کا رویہ مناسب نہیں ہے۔ وہ ترپ کا وہ پتا ہے، جسے ابھی اس کے کام آنا ہے۔ وزیر خان کی افادیت ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑھ گئی تھی۔ اس نے مسکرا کر وزیر خان کو دیکھا اور نرم لہجے میں پوچھا ”اب تو تم خوش ہو۔“

”جی اسٹیلا میم صاب۔“

اسٹیلا کو سعید خان کی بات یاد آگئی۔ سعید خان نے وزیر خان کے بارے میں کہا تھا کہ وہ کم ظرف ہے۔ اور اس وقت وزیر خان نے اس بات کو درست ثابت کر دیا تھا۔ اسی لیے تو اس نے اسے اسٹیلا میم صاب کہا تھا۔ اب وہ یہ سوچ رہی تھی کہ یہ شخص تو تھوڑے ہی دنوں میں اسے بدتمیزی سے اسٹیلا کہہ کر پکارنے لگے گا۔

”ایک بات یاد رکھنا وزیر خان“ اس نے سرد لہجے میں کہا ”مجھے خود سری اور بدتمیزی پسند نہیں ہے۔ اور تم میری حکم عدولی بھی کبھی نہ کرنا۔“

”آپ بے فکر رہیں اسٹیلا میم صاب۔“

"جیسی اب تم جاؤ۔"
"لیکن میم صاب۔"
"تم تو میری بات ابھی ہی بھول گئے۔ میں نے کہا ہے ابھی نہیں صرف تعمیل کیا کرو۔" اشٹیلا نے سخت لہجے میں کہا۔
"سلام میم صاب" وزیر خان نے کہا اور رخصت ہو گیا۔
اس کے جانے کے بعد اشٹیلا سوچتی رہی کہ کچھ بھی سہی' اتنے دنوں میں پہلی بار اسے تنہائی کا احساس ہوا ہے۔ مگر اس وقت اسے یہ خیال بھی نہیں تھا کہ چند منٹ بعد یہ تنہائی اس کے کتنے کام آئے گی۔
اس نے اٹھ کر دروازہ بند کیا۔ اپنے لیے جام بنایا اور قالین پر نیم دراز ہو گئی۔ گزرے ہوئے لمحوں کو اس وقت اس نے انجوائے نہیں کیا تھا۔ لیکن اب وہ انہیں زیادہ انجوائے کر سکتی تھی۔

O☆O

سعید خان کو باغ میں کھڑے کافی دیر ہو گئی تھی۔ وہ اب بھی سوچ اور الجھ رہا تھا۔ اس کی قوت فیصلہ کام نہیں کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ دوڑتا ہوا جائے اور کاٹیج میں جا گھسے۔ مگر وہ جانتا تھا کہ یہ ہر اعتبار سے تباہ کن ہو گا۔ وزیر خان کو وہ خوب جانتا تھا۔ یہ طے تھا کہ اس کے اس اقدام سے بات بالکل ہی بگڑ جائے گی۔ دوسری طرف میم صاب سے بھی کھلی دشمنی ہو جائے گی۔ جب کہ اسے میم صاب کی مدد کی ضرورت ہے۔
چنانچہ اسے زہر کے یہ گھونٹ پینے ہی تھے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اسے کتنی دیر انتظار کرنا ہو گا۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ جا کر جائزہ تو لے۔ مگر بلا وجہ خطرہ مول لینا بھی مناسب نہیں تھا۔ اب تک کا صبر بھی ضائع ہو جاتا۔ وزیر خان کا سامنا کرنا بے حد نامناسب تھا۔ پھر اسے ایک اور خیال نے چونکا دیا۔ یہ ضروری تو نہیں کہ وزیر خان کاٹیج میں موجود ہو۔ یہ بات تو اس نے خود ہی فرض کر لی تھی۔ اس بنیاد پر کہ اس نے وزیر خان کو گھر آتے نہیں دیکھا تھا۔ جب کہ یہ بھی ممکن تھا کہ وزیر خان گھر پہنچ چکا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی وقت سے کچھ پہلے کاٹیج سے نکل آیا ہو اور اس کے جھنڈ میں پہنچنے سے پہلے اپنے گھر پہنچ چکا ہو۔ اور ممکن ہے کہ وہ کاٹیج سے نکل کر گھر جانے کی بجائے کہیں اور چلا گیا ہو۔ تو اس صورت میں کیا وہ اپنے پہلے مفروضے کے تحت رات بھر یہاں کھڑا وزیر خان کے رخصت ہونے کا بے سود انتظار کرتا رہے گا۔ یہ تو حماقت ہو گی۔ کم از کم اسے وزیر خان کے کاٹیج میں موجود ہونے کی تصدیق تو کر ہی لینی چاہیے۔
اس خیال سے وہ باغ سے نکلنے ہی والا تھا کہ کاٹیج کا دروازہ کھلا۔ اس وقت تک اندھیرا ہو چکا تھا۔ لیکن وزیر خان کو پہچاننے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ وہ دوبارہ درختوں کی اوٹ میں دبک گیا۔ وزیر خان کے جانے کے بعد بھی وہ کچھ دیر احتیاطاً وہیں کھڑا رہا۔ حالانکہ وزیر خان کے انداز سے یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ کسی کام کے لیے نکلا ہے اور واپس آئے گا۔ کچھ دیر بعد سعید خان باغ سے نکلا اور کاٹیج کی طرف چل دیا۔ چند لمحے بعد وہ کاٹیج کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

O☆O

اشٹیلا کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔ اس کے وجود میں طمانیت اور سرشاری لہرا لہرا دوڑ رہی تھی۔ آنکھیں مندی جا رہی تھیں۔ اس نے جام خالی کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ اس کیفیت میں سے نوشی بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ جب پیے بغیر ہی نشہ ہو رہا ہو تو پینے کی ضرورت کہاں رہ جاتی ہے۔ اس نے یونہی آنکھیں موند لیں۔ لمحوں میں اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔
دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔ اس وقت کون آ سکتا ہے۔ اس نے سوچا۔ وزیر خان؟ یہ ناممکن نہیں تھا۔ وہ اٹھی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی "کون ہے؟" اس نے درشت لہجے میں پکارا۔
"میں ہوں میم صاب.... سعید خان۔"
ایک لمحے کو اشٹیلا کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ سعید خان؟ یہ یہاں اس وقت کس لیے آیا ہے؟ کیا اس کا پہلا اندازہ درست تھا؟ کیا سعید خان یہاں موجود تھا؟ لیکن ایسا تھا تو اس نے مداخلت کیوں نہیں کی۔ اشٹیلا سوچتی رہی....
"میم صاب' دروازہ کھولیں۔"
اشٹیلا چونکی اور اس نے خشک لہجے میں پوچھا "کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو تم؟"
"دروازہ تو کھولیں۔"
"میں اس وقت دروازہ نہیں کھولوں گی" اشٹیلا نے بے رخی سے کہا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وزیر خان کی دی ہوئی طمانیت کے زور پر وہ اس وقت سعید خان کے ساتھ سخت رویّہ اختیار کر سکتی ہے۔ یوں اسے جھکانے میں اور مدد ملے گی۔
"میم صاب' میں آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آیا ہوں" دروازے کے اس طرف سے سعید خان نے التجا کی "مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"
"کل بات کر لینا۔ اس وقت میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔"
"خدا کے لیے میم صاب۔ کل وزیر خان موجود ہو گا۔ بات ایسی ہے کہ میں اس کے سامنے نہیں کر سکتا۔"
"مگر یہ کون سا وقت ہے مجھے تنگ کرنے کا۔"
"میم صاب' ضروری نہ ہوتا تو میں کبھی نہ آتا" سعید خان اب گڑگڑا رہا تھا۔
اشٹیلا نے دروازہ کھول دیا۔ مگر اس کی تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں "آ جاؤ۔ مگر میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکوں گی۔"
سعید خان اندر آ گیا۔ وہ کھڑا ہچکچاتا رہا۔ اشٹیلا نے اسے بیٹھنے کے لیے بھی نہیں کہا تھا اور دروازہ بھی بند نہیں کیا تھا "اب بولو بھی۔ کیا مسئلہ ہے۔" اشٹیلا نے سخت لہجے میں کہا۔

"ذاتی نوعیت کا مسئلہ ہے۔ لیکن آپ اسے حل کر سکتی ہیں۔"
"بتاؤ تو" اشٹیلا نے جھنجلا کر کہا۔
"وہ میم صاب جی۔ وزیر خان شادی کے معاملے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے" سعید خان نے کہا۔
"شادی.... کس کی شادی؟" اشٹیلا نے حیرت سے پوچھا۔
"اس کی اپنی شادی میم صاب جی۔ میری بہن کے ساتھ۔"
اشٹیلا کی آنکھیں چمکنے لگیں "اوہ' تو یہ بات ہے۔ لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ یہ تو تم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے۔"
"آپ اسے مجبور کر سکتی ہیں۔"
"میں کیسے مجبور کر سکتی ہوں۔"
"آپ کا حکم وہ ٹال نہیں سکتا۔"
"تم ٹال سکتے ہو تو وہ کیوں نہیں ٹال سکتا" اشٹیلا نے سرد لہجے میں کہا۔
سعید خان کی نظریں جھک گئیں "مجھ پر احسان کریں میم صاب۔"
"مگر میں اسے مجبور کیسے کر سکتی ہوں؟"
"آپ اسے دھتکار دیں۔ اسے اپنی اوقات یاد آ جائے گی اور میرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ آپ اسے ملازمت سے نکال بھی سکتی ہیں۔"
"یہ تو ناممکن ہے۔ گھوڑوں کا خیال کون رکھے گا؟"
"اچھا' دھتکار تو سکتی ہیں اسے۔"
"لیکن میں ایسا کیوں کروں؟" اشٹیلا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں کہا "میں تنہائی سے اکتائی ہوئی عورت ہوں۔ وہ تو میرے لیے ایک نعمت ہے۔ اسی وجہ سے تو میں نے تمہیں اہمیت دی تھی۔ مگر تم میری توقع پر پورے نہیں اترے۔ ورنہ تو میں کبھی اسے منہ نہیں لگاتی۔"
سعید خان نے کچھ بھی نہیں کہا۔ بے بسی سے ٹکر ٹکر اسے دیکھتا رہا۔
"میں اگر اسے دھتکار بھی دوں تو ضروری نہیں کہ وہ شادی کر ہی لے۔"
سعید خان کی آنکھوں میں امید چمکی "مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔"
"تمہارے کہنے پر میں ایسا کر سکتی ہوں تمہارا مسئلہ حل ہو نہ ہو' یہ تمہارا دردِ سر ہے۔"
"میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا میم صاب" سعید خان نے پُرامید لہجے میں کہا۔
"لیکن مجھے اس کے بدلے کیا ملے گا؟" اشٹیلا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
سعید خان کی آنکھیں پھر جھک گئیں "میں آپ کو کیا دے سکتا ہوں میم صاب۔"
"تم جانتے ہو کہ مجھے کیا چاہیے۔ اب دل چاہے تو سودا کر لو۔"
"میم صاب' یہ ممکن نہیں۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"
"اس میں احسان فراموشی کہاں سے آ گئی؟"
"آپ نہیں سمجھیں۔ صاب کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ وہ اچھے آدمی ہیں۔ یہ ان کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"
اشٹیلا پر جھنجلاہٹ طاری ہو گئی "اچھی بات؟ بات اچھی بات کی ہو بھی نہیں رہی ہے۔ بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم بالغ آدمی ہو۔ یہ کس قسم کی منافقت ہے۔ مجھے تم لوگوں کی یہی بات تو بری لگتی ہے کہ تم لوگ بیک ورڈ ہو۔"
"مگر صاب نے ہمیشہ میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ مجھے عزت دی۔ میں ان کی عزت کی حفاظت کر سکتا ہوں' لٹیرا تو نہیں بن سکتا۔"
"کمال ہے" اشٹیلا نے بمشکل کہا۔ اس کی منطق نے اسے دنگ کر کے رکھ دیا تھا "فضول اور احمقانہ باتیں مت کرو" اب وہ بھڑک گئی تھی۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اور اپنے سینے پر رکھ لیے "بچے مت بنو ڈارلنگ۔ اب بڑے ہو جاؤ" اس نے نرم لہجے میں کہا۔
سعید خان نے نرمی سے اپنے ہاتھ چھڑا لیے "میں مجبور ہوں میم صاب۔ احسان فراموشی میرے خون میں ہی نہیں ہے۔"
"تب تو تم واقعی مجبور ہو" اشٹیلا نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا "مگر میں بھی مجبور ہوں۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانا میری فطرت کے خلاف ہے۔"
اب سعید خان گنگ تھا۔ کچھ توقف کے بعد اشٹیلا نے کہا۔ "اب تک تو میں نے تمہارے ہونے والے بہنوئی کی بالکل حوصلہ افزائی نہیں کی ہے" اس کا لہجہ زہریلا تھا "مگر تمہاری دو ٹوک گفتگو کے بعد میں اس سلسلے میں غور ضرور کروں گی۔ امید ہے' تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"
سعید خان کا چہرہ فق ہو گیا "م۔ میم۔ مس۔ صاب۔ مم...."
"اب تم جا سکتے ہو" اشٹیلا نے سرد لہجے میں کہا "تم پہلے ہی میرا بہت وقت برباد کر چکے ہو۔"
سعید خان ہارے ہوئے جواری کی طرح دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

O☆O

اشٹیلا کے چند دن اس امید میں گزرتے رہے کہ اس کی دھمکی کارگر ثابت ہو گی اور سعید خان اس کے آگے سرنگوں ہو جائے گا۔ اسی طرح برسات کا موسم آ گیا لیکن سعید خان کے

ہفتے میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ بلکہ سعید خان پہلے سے زیادہ سخت ہو گیا تھا۔ اب وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتا۔ وزیر خان سے بھی اس کی بات نہ ہوتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ کام پر آتا تو سلام کرتا اور پھر جاتے ہوئے سلام کرتا۔ درمیان میں سامنا بھی نہ ہوتا۔

آخر اسٹیلا کا ضبط جواب دے گیا۔

اس روز اس نے چائے بنائی اور ان دونوں کو اندر بلا لیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھے چائے کے گھونٹ لیتے رہے۔ اسٹیلا انہیں تولنے والی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پھر اچانک اس نے کہا "وزیر خان آج تو میرا مچھلی کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"حکم کی دیر ہے میم صاب۔ آج شام کو مچھلی پکڑنے چلا جاؤں گا" وزیر خان کے لہجے میں مسرت تھی۔ اس دن کے بعد اسے میم صاب کی قربت نہیں ملی تھی۔ ریلیکسنگ کے دوران کئی بار اس نے پیش قدمی کی تھی۔ لیکن میم صاب نے اسے روک دیا تھا۔ اب یہ تو کھلا اشارہ تھا۔

"میں ایک بات کہوں میم صاب؟" سعید خان نے پوچھا۔ اس کا لہجہ مخالفانہ تھا۔

"کیا بات ہے سعید خان؟"

"یہ وہ مہینے مچھلی کھانے اور پکڑنے کے نہیں ہوتے میم صاب۔"

"کیوں سعید خان؟"

"اس موسم میں مچھلی کا ذائقہ اچھا نہیں رہتا۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ مچھلی صحت کے لیے نقصان دہ ہو جاتی ہے۔"

"اس کی کوئی وجہ بھی ہوگی" اسٹیلا نے کہا۔

اب تک وزیر خان خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ سعید خان اس کا بنا بنایا کھیل خراب کر رہا تھا۔ اس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا "سب بکواس ہے۔ مچھلی صحت کے لیے نقصان دہ کبھی نہیں ہوتی۔ ہاں بزرگوں نے اس عرصے میں مچھلی کے شکار کو روکنے کے لیے یہ کہانیاں گھڑی ہیں۔"

"ایسا ہے تب بھی یہ توجہ ہے کہ اس موسم میں مچھلی کا شکار نہیں ہونا چاہیے" سعید خان نے تند لہجے میں کہا "یہ تو مچھلی کی نسل ختم کرنے کے برابر ہے۔"

"تم دونوں مت الجھو۔ میں اس سلسلے میں سوچوں گی" اسٹیلا نے کہا۔

چائے ختم کر کے وہ دونوں باہر چلے گئے۔ سعید خان بہت پریشان تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اگر آج اس نے اس معاملے کو یہیں نہیں روکا تو پھر کبھی بھی نہیں روک سکے گا۔ یہ مچھلی والا معاملہ تو خود اس کے ساتھ بھی ہو چکا تھا۔ اس کے اندر تو برائی کے خلاف مزاحمت تھی۔ اس لیے وہ بچ کر نکل آیا تھا۔ لیکن وزیر خان تو خود برائی کی طرف لپک رہا تھا۔ اس ایک موقع کے بعد تو شاید کچھ بھی نہ بچتا۔

اسٹیلا کا پہلا جملہ سنتے ہی جو اضطراب اس کے اندر مچلا تھا وہ مسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ بہت بے چین تھا۔ لیکن اس کیفیت میں بھی وہ سوچنے پر مجبور تھا۔ سوچنا یہ تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ جانتا تھا کہ میم اس سے کیا چاہتی ہے۔ وہ اس کی ضد اور مستقل مزاجی کا قائل ہو گیا تھا۔ عورت کی منتقم مزاجی کے متعلق اس نے بہت کچھ سنا تھا اور وہ اس سے خائف بھی تھا۔ وہ اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ جو کچھ وہ کر رہی تھی یا کرنے کی دھمکی دے رہی تھی اس سے زیادہ بھی بہت کچھ کر سکتی تھی۔ ویسے جو کچھ کرنے کی اس نے دھمکی دی تھی اس کے لیے وہی بہت کافی تھا۔ اب تک اس نے بھرپور مزاحمت کی تھی۔ لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔

خیال آتے ہی سعید خان لرز اٹھا۔ وقت آ گیا تھا کہ ایک اچھے جنگجو کی طرح وہ ہتھیار ڈال دے۔ اپنی زندگی لڑنے کی حد تک تو جنگ لڑی جا سکتی ہے۔ مگر جہاں اپنے پیاروں کو گزند پہنچنے کا خدشہ ہو وہاں ہتھیار رکھ دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

سعید خان کسی حتمی نتیجے پر تو نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اس کے اندر گناہ کے لیے ایک آمادگی پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ وہ اداس بھی ہو گیا۔ کاش۔۔۔ کاش وزیر خان ایسا نہ ہوتا۔ کاش رحیم سے اس کی منگنی نہ ہوئی ہوتی۔ لیکن اب حقائق بدلے تو نہیں جا سکتے تھے۔

بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ اسے بلا تاخیر میم سے بات کرنا ہوگی اور اس معاملے کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہوگا۔ یہ فیصلہ کر کے وہ اٹھا اور کاٹیج کی طرف چل دیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پھر بھی اس نے دستک دی۔

"کم ان۔"

وہ اندر چلا گیا۔ اسٹیلا صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک رسالہ تھا۔ وہ سعید خان کو دیکھ کر مسکرائی "تو سعید خان۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

"جی میم صاب۔"

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے مچھلیوں کے متعلق بتاؤ گے۔"

"مچھلیوں کے متعلق تو میں بتا چکا ہوں۔"

"وہ میں نے سن لیا تھا۔ اب اصل بات کرو مجھ سے" اسٹیلا نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا تھا' وہ سچ تھا میم صاب۔"

"لیکن اصل بات یہ ہے کہ تم نہیں چاہتے کہ وزیر خان یہاں آئے۔"

"جی ہاں۔ میں اس وقت اسی سلسلے میں آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔"

"اس بات کا جواب میں پچھلی بار دے چکی ہوں۔ لیکن تم احسان فراموش نہیں ہو۔ اس لیے بات نہیں بن سکی" اسٹیلا نے بے رحمی سے کہا۔

سعید خان نے سر جھکا لیا "میں آپ کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ آپ وزیر خان کو مچھلیوں کے لیے منع کر دیجیے گا۔ میں آج رات آپ کے پاس آؤں گا۔"

اسٹیلا کا دل بلیوں اچھلنے لگا "ٹھیک ہے۔ لیکن آج میرے ساتھ کوئی چالبازی نہ کرنا ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے میم صاب" سعید خان پلٹا اور باہر آ گیا۔ اس کے قدم تو بوجھل ہو رہے تھے لیکن سینے سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

اس شام دونوں دوست ساتھ ہی رخصت ہوئے۔ لیکن دونوں کی کیفیات مختلف تھیں۔ سعید خان مطمئن تھا۔ جب کہ وزیر خان جھنجلایا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ میم صاب نے صرف سعید خان کی وجہ سے اسے مچھلی لانے سے منع کیا ہے۔ لیکن بات ایسی تھی کہ وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

○☆○

اس رات اسٹیلا کے لیے انتظار میں بھی لذت تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بار کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ ان کے جاتے ہی وہ رات کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ اس نے بہت عرصے کے بعد ڈنر کا خصوصی اہتمام کیا۔

تیاری مکمل ہونے کے بعد اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ نو بجے دروازے پر دستک ہوئی تو وہ اٹھ کر لپکی۔ اس نے دروازہ کھولا اور سعید خان اس کے سامنے تھا "سلام میم صاب۔"

"آج یہ نہیں چلے گا سعید خان" اسٹیلا نے مسکراتے ہوئے کہا "مجھے بانہوں میں لے کر میرے رخسار پر پیار کرو۔"

سعید خان چند لمحے ہچکچایا۔ پھر اس نے اسٹیلا کی ہدایت پر عمل کیا۔

"آؤ بیٹھو۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔ کھانے کے دوران تفصیلی بات بھی ہو جائے گی۔ اور پھر۔۔۔" اسٹیلا نے دانستہ جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

سعید خان بیٹھ گیا۔ اسٹیلا کھانا لگانے میں مصروف ہو گئی۔ میز اس نے پہلے ہی سیٹ کر لی تھی۔ کھانا لگانے کے بعد اس نے دو موم بتیاں روشن کر دیں اور سعید خان کو پکارا "آ جاؤ ڈارلنگ کھانا لگا دیا ہے میں نے۔"

سعید خان اٹھ کر وہاں چلا گیا۔ میز دیکھ کر وہ اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ یہ اہتمام اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اسٹیلا کے بیٹھنے کا انتظار کرتا رہا۔ اسٹیلا بیٹھی تو وہ بھی بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے سامنے رکھی کٹلری کی پلیٹ کو دیکھا۔ پھر اسے نظر انداز کر کے اپنے انداز سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کبھی کبھی وہ کن انکھیوں سے میز کے اس حصے کو دیکھتا جہاں سرخ شراب کی بوتل اور جام رکھے تھے۔

اسٹیلا کھانے کے دوران سعید خان کو کھاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں۔۔۔ بڑے جنگلی پن سے کھا رہا تھا۔ اسٹیلا کو وہ پہلا دن یاد آ گیا جب اس نے سعید خان کو دیکھا تھا۔ اس روز اسے اس کی اس خود اعتمادی نے ہی متاثر کیا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے اسے اس بات کی پروا نہیں تھی کہ دوسرے سلیقے سے کھا رہے ہیں اور وہ جنگلی پن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ایسے میں اسٹیلا کو وہ پتھر کے زمانے کا کوئی وحشی معلوم ہوتا تھا۔ شاید اس کے لیے اس کی یہی بد اطواری وجہ کشش تھی۔

غلط فہمی

ٹریفک سارجنٹ "میں اتنی دور سے چلا رہا ہوں پھر بھی آپ نہیں رکے۔ آپ کم از کم اتنی کی رفتار سے جا رہے تھے۔"

ڈرائیور "معافی چاہتا ہوں صاحب مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ چلا رہے ہیں۔ میں سمجھا کوئی میری کار کے پیچھے آ رہا ہے۔"

اسٹیلا نے خوب صورت صراحی اٹھائی اور دونوں جام بھر دیے "ہوں۔۔۔ اب یہ پیو" اس نے کہا۔

"مم۔۔۔ میم صاب۔۔۔ میں۔۔۔ میں نہیں پی سکتا۔"

"یہ وہ کڑوی شراب نہیں ہے پاگل آدمی۔ یہ وائن ہے۔ میٹھی ہوتی ہے" اسٹیلا نے اسے سمجھایا۔

"یہ بتائیں' اس میں نشہ ہوتا ہے یا نہیں؟" سعید خان نے پوچھا۔

اسٹیلا کو اس کی سادگی پر پیار آنے لگا۔ اب ایسے آدمی سے وہ جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھی "نشہ تو ہوتا ہے۔ لیکن بہت کم۔"

"تو پھر میں نہیں پی سکتا۔ اور میری التجا ہے کہ آپ بھی نہ پئیں۔" سعید خان نے کہا۔ پھر خود ہی وضاحت بھی کر دی "اس سے کوئی لذت بڑھتی نہیں۔ الٹا کم ہو جاتی ہے۔"

اسٹیلا کو حیرت ہوئی۔ وہ تو یہ بات جانتی تھی۔ لیکن سعید خان کو کیسے معلوم ہوا "کیوں۔۔۔ تم نے کبھی پی ہے؟"

"نہیں میم صاب۔ لیکن پینے والوں سے ان کی کہانیاں سنی ہیں۔ آپ میری بات مان لیں۔"

"اور اگر میں تمہیں یقین دلاؤں کہ ایک جام سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بس ترنگ آتی ہے تو؟"

"میں تو پھر بھی نہیں پی سکتا میم صاب۔ یہ حرام ہے۔"

اسٹیلا نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا "میں نہیں سمجھتی کہ اس وقت تم مجھ سے بحث کرنے کی پوزیشن میں ہو۔ لیکن میں تم پر مذہب کے معاملے میں کوئی جبر کر کے دوستانہ ماحول کو مجروح نہیں کرنا چاہتی۔"

سعید خان نے شکر گزاری سے اسے دیکھا۔ وہ دل میں یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اپنی نسلی کمزوریوں کے باوجود اسٹیلا اچھی عورت ہے۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اسٹیلا نے پوچھا۔

"وہ تو میں بتا چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے شادی پر مجبور کر دیں۔"

"یہ ضروری نہیں کہ وہ میری بات مانے" اسٹیلا کا لہجہ سوچ

میں پہنچ سکتا تھا" اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مجھ سے بات ماننے کی قیمت وصول کرے۔ یہ اندازہ تو تم لگا سکتے کہ ایسا ہوا تو وہ کیا مطالبہ کرے گا۔"

اس کی بات سن کر سعید خان کا جسم تھر تھرا گیا۔ اس نے ذرا توقف کے بعد کہا "پھر آپ ایسا کریں کہ بس اسے روک دیں" "اسے بالکل منہ نہ لگائیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس صورت میں بات خود ختم ہو جائے گی۔"

"ہاں' یہ بہتر ہے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ مطلب پورا ہو جانے کے بعد تم نے آنکھیں پھیر لی ہوں گی۔"

"میں بدعہد نہیں ہوں" سعید خان نے برا مانتے ہوئے کہا۔

اسٹیلا مسکرانے لگی "میں جانتی ہوں۔ اب تم چل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھو۔ میں ذرا دیر میں آتی ہوں" یہ کہہ کر وہ بیڈ روم کی طرف چل دی۔ اسٹیلا کے لیے وہ خاص موقع تھا۔ اسے احساس تھا کہ سعید خان مجبور ہو کر اس کے قریب آیا ہے۔ گویا یہ ایک کاروباری معاہدہ تھا۔ لیکن وہ اس کاروبار کو محبت کا روپ دینا چاہتی تھی۔ ڈرائنگ روم میں اس نے خاص طور پر کئی رسالے رکھ دیے تھے۔ اب اسے اوپر جا کر تیار ہونا تھا۔ تیاری کا پورا نقشہ بھی اس کے ذہن میں موجود تھا۔

○☆○

اگلے روز جمعہ تھا۔ سعید خان صبح ہوتے گھر گیا تھا۔ اسٹیلا نے بہت اصرار کیا تھا لیکن وہ رکنے کو آمادہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسٹیلا سو گئی تھی۔

وزیر خان اپنے معمول کے مطابق صبح نو بجے کاٹیج پہنچا۔ یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ سعید خان ابھی نہیں آیا ہے۔ مگر دس بج گئے تو اسے تشویش ہونے لگی۔ یہ ایک غیر معمولی بات تھی۔ خاص طور پر اس لیے کہ اس شام کو صاب کو گھر آنا تھا۔

اصطبل کی طرف واپس جاتے ہوئے اس کے قدم کاٹیج کی طرف اٹھ گئے۔ اس نے دروازے کو دھکیلا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر چلا گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کے وہ بت بن کر رہ گیا۔ وہاں کئی رسالے بکھرے ہوئے تھے۔ اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اس کی نظر ڈائننگ روم کی طرف اٹھ گئی۔ ڈائننگ ٹیبل اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ اس طرف چلا گیا۔ ڈائننگ ٹیبل بھی بہت کچھ بتا رہی تھی۔ وہاں شراب کی صراحی اور دو خالی جام رکھے تھے۔ یہ بھی طے تھا کہ وہاں دو افراد نے بیٹھ کر کھانا کھایا ہے۔ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اسٹیلا کے ساتھ کون ہو گا۔

اپنا ردِعمل خود وزیر خان کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اسے ایسا لگا کہ اس کے سینے میں آگ بھڑک اٹھی ہے۔ بے سوچے سمجھے وہ اوپر خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ اسٹیلا کی خواب گاہ کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ وہاں جو کچھ اس نے دیکھا' اس کے بعد کسی شک و شبے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ وزیر خان سوتی ہوئی

میم پر جھپٹنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ تکیے کے نیچے پستول رکھتی ہے۔ یہ وقت مناسب نہیں تھا۔ تاہم اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ میم کو اب تک کی اپنی توہین کی سزا ضرور دے گا۔ وہ دبے پاؤں بیڈ روم سے نکلا اور دروازہ بند کر کے نیچے چلا گیا۔

اصطبل میں کام کرتے ہوئے بھی اس کے کان باہر کی آوازوں پر لگے ہوئے تھے۔ ساڑھے دس بجے سعید خان آ گیا۔ وہ آتے ہی باغیچے میں مصروف ہو گیا۔ اسٹیلا عام طور پر بارہ بجے تک گھڑ سواری کے لیے تیار ہو کر آ جاتی تھی۔ لیکن اس روز ساڑھے بارہ بج گئے۔ وزیر خان بہت بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اسٹیلا گیارہ بجے سو کر اٹھی تھی۔ اس پر سرشاری طاری تھی۔ وہ باتھ روم میں جا کر نہائی تو ذہن ذرا صاف ہوا۔ کچن میں جا کر ناشتا تیار کرتے ہوئے وہ وزیر خان کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس روز اس کا گھڑ سواری کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن کھڑکی سے باہر جھانکتے ہی اس کا موڈ بن گیا۔ موسم بہت اچھا ہو رہا تھا۔ آسمان پر گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ اس کا دل باہر جانے کو مچلنے لگا۔ ناشتا کر کے وہ لباس تبدیل کرنے اوپر چلی گئی۔ وہ تیار ہو کر اصطبل کی طرف گئی۔ وزیر خان اسے دیکھتے ہی باہر آ گیا "سلام میم صاب۔ آپ چلیں۔ میں گھوڑے لے کر آ رہا ہوں۔"

وزیر خان معمول کے مطابق گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے اسے سہارا دینے لگا تو اسٹیلا نے درشتی سے اسے منع کر دیا "اب میں خود بھی سوار ہو سکتی ہوں۔"

وزیر خان کے سینے کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ لیکن زہر کے وہ گھونٹ پینا اس کے لیے زیادہ دشوار ثابت نہیں ہوا۔ یہ اطمینان اس کے لیے کافی تھا کہ وہ جلد ہی حساب بے باق کر دے گا۔ اس نے سر اٹھا کر بادلوں کو دیکھا۔ بارش ہونا یقینی تھا۔ بلکہ شدید بارش کی توقع تھی۔ وزیر خان کو حیرت ہوئی کہ سعید خان نے میم صاب کو روکنے کے لیے ٹانگ کیوں نہیں اڑائی۔ سعید خان نے اسٹیلا کو سہارے کے لیے منع کرتے سنا تو اسے طمانیت کا احساس ہوا۔ موسم کے تیور وہ بھی سمجھ رہا تھا۔ لیکن اس نے دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی۔ گزشتہ روز وہ مچھلی کے معاملے میں دخل دے چکا تھا۔ آج دخل اندازی کر کے وہ وزیر خان کی برائی کیوں مول لیتا۔ اب تو حالات سنورنے کی صورت پیدا ہوئی تھی۔

وہ ان دونوں کو گھوڑے دوڑا کر جاتے دیکھتا رہا۔

○☆○

اس روز وزیر خان نے راستے کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ بارش شروع ہونے کے متعلق بھی اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ لیکن بارش کا آغاز اتنی شدت سے ہوا کہ وہ بھی بوکھلا گیا۔ اس وقت وہ ایک پہاڑ کے درمیان موجود تھے۔ گھوڑے چڑھائی کا سفر طے کر رہے تھے۔ ان کی رفتار بھی زیادہ نہیں تھی۔

اوپر پہاڑ پر جنگل تھا۔ وزیر خان اس جنگل کے ہی ارادے سے نکلا تھا۔ لیکن ابھی فاصلہ بہت تھا اور بارش طوفانی ہو رہی تھی۔ محض لمحوں میں ان کے لباس تر بتر ہو گئے۔

"وزیر خان' کہیں پناہ تلاش کرو۔ بارش بہت تیز ہے" بارش کے شور کی وجہ سے اسٹیلا کو چیخنا پڑ رہا تھا۔

"میم صاب' یہاں تو کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی۔ لگتا ہے' اب جنگل میں ہی پناہ مل سکے گی۔"

وہ گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ بارش کا پانی اتنا سرد تھا کہ اسٹیلا کے جسم میں تھرتھری دوڑنے لگی۔ اب تو بارش کی بوچھار اسے کوڑوں کی طرح لگ رہی تھی۔

ابھی وہ جنگل سے کچھ دور ہی تھے کہ وزیر خان کی نظر اتفاقاً اس پہاڑی کھوہ پر پڑ گئی۔ اس نے چیخ کر اسٹیلا سے رکنے کو کہا اور خود گھوڑے کو کھوہ کی طرف موڑ لیا۔ اس نے اندر جا کر جائزہ لیا۔ وہ اچھا خاصا بڑا غار تھا۔ وہ پلٹا اور باہر نکل آیا "غار تو کافی بڑا ہے" اس نے اسٹیلا کو بتایا "بارش رکنے تک ہم بہ آسانی یہاں رک سکتے ہیں۔ بس گھوڑوں کا مسئلہ ہے گا۔ آپ جلدی سے غار میں چلیں۔ میں گھوڑوں کو کسی درخت سے باندھ کر آتا ہوں۔"

اسٹیلا تیزی سے گھوڑے سے اتری اور غار میں چلی گئی۔ غار خاصا گرم تھا۔ لیکن لباس بھیگ جانے کی وجہ سے اس پر جو لرزہ چڑھا ہوا تھا' وہ اتنی آسانی سے اترنے والا نہیں تھا۔ ادھر وزیر خان نے گھوڑوں سے زین کھولی۔ ساتھ بندھے ہوئے تھیلوں میں کمبل بھی تھے' جو اس نے احتیاطاً رکھے تھے۔ وہ زینیں اور تھیلے لے کر غار میں بھاگا "تھیلوں میں کمبل ہیں۔ بھیگے کپڑے بیکار کر دیں گے۔ آپ کپڑے اتار کر کمبل لپیٹ لیں۔ میں گھوڑوں کو کہیں باندھ کر آتا ہوں۔"

وزیر خان گھوڑوں کی لگامیں تھام کر اوپر چل دیا۔ ایک درخت اس کی نظر میں تھا۔ گھوڑوں کو باندھ کر واپس آتے ہوئے اس نے کچھ درختوں سے نچلی چھوٹی ٹہنیاں توڑ لیں جو سوکھی تھیں۔ اچھی خاصی ٹہنیاں جمع کر کے وہ غار کی طرف چل دیا۔

غار میں اسٹیلا خود کو کمبل میں لپیٹے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں سے اب بھی پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے جسم میں اب بھی ہلکی سی لرزش تھی۔ وزیر خان نے کچھ چھوٹی ٹہنیاں رکھ کر انہیں جلایا۔ ٹہنیاں سلگ اٹھیں تو اس نے اوپر بڑی ٹہنیاں ترتیب سے رکھ دیں۔ آگ سلگا کر اس نے دوسری زین اسٹیلا کے برابر ڈالی اور خود منہ پھیر کر کمبل کی آڑ میں کپڑے اتارنے میں مصروف ہو گیا۔ کپڑے اس نے آگ کے سامنے رکھ دیے۔ اسٹیلا اپنے کپڑے پہلے ہی رکھ چکی تھی۔

دوسری زین پر بیٹھ کر اس نے اسٹیلا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا "ارے۔ آپ تو ابھی تک لرز رہی ہیں۔ بہت سردی لگ رہی ہے۔"

اسٹیلا نے کوئی جواب دینے کی بجائے ناگواری سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن وزیر خان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

"زین پر بے آرام بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے" وزیر خان نے کہا "ہم دونوں ایک کمبل میں بیٹھ سکتے ہیں۔ دوسرا بچھانے کے کام آ سکتا ہے۔"

"مجھے ... سے ... اور ہاں۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو" اسٹیلا نے سخت لہجے میں کہا۔

لیکن وزیر خان اپنا کمبل بچھانے میں مصروف ہو گیا۔ اسٹیلا نے اٹھ کر غار کے دہانے کی طرف بھاگنا چاہا۔ مگر وزیر خان نے اسے دبوچ لیا "کہاں جاتی ہو چڑیا۔ تجربہ کر کے دیکھو کہ ایک کمبل میں کتنی گرمی ہوتی ہے۔"

"تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ میں نے پہلے ہی بتایا تھا کہ میری اجازت کے بغیر تم کچھ بھی نہیں کرو گے" اسٹیلا نے کہا۔ لیکن وزیر خان کی نگاہوں سے اسے خوف آنے لگا۔

"اس علاقے میں ایسا نہیں ہوتا" وزیر خان نے تند لہجے میں کہا اور اس کے کمبل میں گھس گیا۔ اس نے اسٹیلا کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں سرد مہری اور سختی تھی "تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ کل تم نے کیا کھیل کھیلا ہے۔ اب میں تمہارا غلام بن کر نہیں رہ سکتا۔"

"میں کچھ بھی کروں۔ تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے۔ اپنی اوقات یاد رکھو" اسٹیلا چلائی۔

جواب میں وزیر خان کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اسٹیلا کے رخسار پر انگلیوں کے نشانات ثبت ہو گئے۔ اسٹیلا حلق کے بل چلانے لگی۔ اس کی چیخ پکار سے وزیر خان پر وحشت طاری ہو گئی۔ اس نے اسٹیلا کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اسٹیلا پہلے مدد کے لیے پکارتی رہی۔ پھر وہ گڑگڑائی اور آخر میں بے بس ہو کر گالیاں بکتی رہی۔ لیکن وہ باز کے پنجوں میں آئی ہوئی چڑیا کی طرح تھی۔ مزاحمت اس کے بس میں ہی نہیں تھی۔

باہر بارش اسی طوفانی انداز میں ہو رہی تھی۔ غار کے اندر طوفان گزر چکا تھا۔ اسٹیلا کی سسکیوں اور وزیر خان کے ہانپنے کے سوا کہیں کوئی آواز نہیں تھی۔ وزیر خان نے اپنے طور پر اسٹیلا کو کچل دیا تھا۔ لیکن اس کی وحشت ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ نفرت بھری نظروں سے اسٹیلا کو دیکھ رہا تھا۔

"تم تصور نہیں کر سکتے منحوس آدمی کہ تمہارا کیا حشر ہونے والا ہے۔" اچانک اسٹیلا چلائی "تمہیں اپنے اس کیے کی وہ سزا ملے گی کہ دوسروں کو بھی عبرت ہوگی۔ تمہیں کتے کی موت نصیب ہوگی۔ تڑپ تڑپ کر مرو گے تم۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔۔۔"

وہ جذبات کی رو میں کہے جا رہی تھی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ اس کے کہے ہوئے ہر لفظ پر وزیر خان کے چہرے کا تاثر کس طرح بدل رہا ہے۔ اس کی نظریں تو اس وقت اٹھیں جب وزیر خان اس کا گلا دبوچ رہا تھا "تو۔۔۔ تو مجھے دھمکی دیتی ہے؟" وہ نفرت سے کہہ رہا تھا "مجھے۔۔۔ وزیر خان کو؟" اور اس کی انگلیوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

اسٹیلا مر چکی تھی۔ وہ اب بھی اس کا گلا دبوچے ہوئے تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ اسٹیلا کا جسم بے جان ہو چکا ہے۔ اس نے چونک کر دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

○☆○

سعید خان بہت پریشان تھا۔ بارش رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وزیر خان اور میم صاحب واپس نہیں آئے تھے۔ کئی گھنٹے ہو چکے تھے۔ بیری رچرڈسن چھ بجے کاٹیج پہنچا تو اس نے سکون کی سانس لی۔

ایک گھنٹے بعد بارش تھمی تو وہ انہیں ڈھونڈنے نکلے۔ لیکن انہیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس طرف گئے ہوں گے۔ گھوڑوں پر تو آدمی کہیں بھی جا سکتا ہے۔ اتنے بڑے علاقے میں انہیں تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ پھر رات بھی ہو گئی اور انہیں لوٹنا پڑا۔ اگلے روز پورا دن گزر جانے پر بھی ان کا سراغ نہ مل سکا۔ بیری رچرڈسن نے سرکاری طور پر بھی مدد طلب کر لی۔ سعید خان کے گاؤں کے لوگ بھی تلاش میں شامل ہو گئے۔ وزیر خان کے گھر والے بھی بہت پریشان تھے۔

پانچویں دن لاش مل گئی۔ دونوں گھوڑوں اور وزیر خان کا کہیں پتا نہیں تھا۔ لیکن سب کچھ واضح تھا۔

بیری رچرڈسن انگریز بھی تھا اور بااختیار بھی۔ وزیر خان کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا لیکن اسے بہت اچھا اسٹارٹ مل گیا تھا۔ وہ ہاتھ نہیں آیا۔ بلکہ اس کے متعلق کبھی کوئی اطلاع بھی نہیں ملی۔ بیری رچرڈسن بہرحال شریف آدمی تھا۔ اس نے وزیر خان کے گھر والوں کو بھی پریشان نہیں کیا۔ لیکن وہ تندہی سے اسے تلاش کرتا رہا۔ یہ الگ بات کہ اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

دو سال ہو گئے۔ ریشم کی شادی ہو گئی۔ وزیر خان سے نہیں۔ اس لیے کہ وزیر خان نے تو اپنے گھر والوں سے بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ریشم کی شادی اچھے گھر میں ہوئی تھی۔ اس کا شوہر بھی بہت اچھا تھا۔ سعید خان بہت خوش تھا۔ اس کے نزدیک تو اسٹیلا رچرڈسن کو قتل کرنے سے پہلے بھی وزیر خان ریشم کے قابل نہیں تھا۔ جان چھوٹ گئی تھی۔

○☆○

"۔۔۔۔ تو یہ ہے اس بے نظیر مزاحمت کی کہانی" بابا فرقان نے گہری سانس لے کر کہا "اور یہ ہے انگریزوں کی غیرت کیا ایک کرنے اور اس مٹی کو انگریز کے خون سے غسل دینے کا قصہ۔ جو کچھ جانتا تھا، میں نے تمہیں بتا دیا۔ اب فیصلہ تم خود کرو۔ میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

ایک نوجوان نے سر اٹھایا اور بابا فرقان سے پوچھا "آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وزیر خان کا کیا بنا؟"

"قتل کے اس واقعے کے چار برس بعد ملک آزاد ہو گیا اور وزیر خان ہیرو کی حیثیت سے واپس آگیا۔"

"آپ ووٹ کے سلسلے میں ہمیں کوئی مشورہ دیں گے؟" ایک اور جوان نے پوچھا۔

بابا فرقان تھوڑی دیر سوچتا رہا "میں کیا مشورہ دے سکتا ہوں" بالآخر اس نے کہا "تم لوگ پڑھے لکھے ہو۔ مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہو۔ تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو۔ اب تک تم کئی اسمبلیاں بھی دیکھ چکے ہو۔ کیا اب تک نہیں سمجھ سکے کہ اپنے جیسے لوگوں میں سے لیڈر منتخب کرو، جن سے جواب طلبی بھی کر سکو ورنہ کیا حاصل اس جمہوریت کا۔ یہ تو وہی غلامی ہے۔ ہاں تم اس پر فخر کر سکتے ہو کہ اب بدیسی آقاؤں کی بجائے اپنوں کی غلامی کر رہے ہو۔"

جوانوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ بابا فرقان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں سلام کر کے چلے آئے۔

الیکشن کا نتیجہ سامنے آیا تو سب حیران رہ گئے۔ تھوڑے ووٹوں سے ہی سہی، اپنے علاقے اور لوگوں کی خدمت کا شوق رکھنے والا امیدوار کامیاب ہو گیا تھا۔ اب لوگوں کی آنکھوں میں مستقبل کی امید کے دیے جھلملا رہے تھے۔